خیاباں

محمود اسرائیلی

علی بھائی شرف علی اینڈ کمپنی لمیٹڈ
نمبر ۳۰۳ ابراہیم رحمت اللہ روڈ بمبئی ۳
قیمت تین روپیہ آٹھ آنے

پرنٹر:- یوسف بھائی ایم بھاتری
علی بھائی شرف علی اینڈ کمپنی لمیٹڈ
مالکان:- مطبع محمدی۔ گنپاؤڈر روڈ۔ مجگاؤں۔ بمبئی ۱۰

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	تقریظ	۱
۲	تعارف	۱۱
۳	دیباچہ	۱۹
۴	حمد	۲۳
۵	زمزمۂ نعت	۲۶
۶	ارمغانِ نعت	۲۸
۷	ہدیۂ نعت	۲۹
۸	سیرتِ رسولؐ کریم	۳۳
۹	سیرتِ صحابہ	۵۳
۱۰	اکابرینِ ملّت	۷۷
۱۱	مقاماتِ مقدسہ	۱۱۱
۱۲	مناظرِ قدرت	۱۲۳
۱۳	اُردو	۱۶۷
۱۴	عاشقانہ	۱۷۳
۱۵	تضمینیں اور خمسے	۱۹۹
۱۶	متفرق اشعار	۲۴۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خیاباں

از حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہٗ

ہماری موجودہ اردو شاعری کا قافلہ ایک سمت کو سفر کر رہا ہے اس سفر کا توشہ تمام تر غزل گوئی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی شاعری کی زبان جب کھلتی ہے تو عشق و محبت کے ناتمام پیام اور حسن و جمال کی نادیدہ تصویر کشی کے سوا ان کے کلام میں کچھ نہیں ہوتا۔ تصوف اور فلسفہ کے دھندلے خیالات جہاں تک ان کی رسائی نہیں ان کے شعروں کو گنجلک بنا اور ان کے بیان کو الجھا دیتے ہیں۔

عشق و محبت کے واردات اور حسن و جمال کی ادائیں حقیقت میں واقعات اور

مشاہدات پر مبنی ہوتی ہیں ان واقعات میں پڑے اور ان مشاہدات کا مزہ چکھے بغیر ان کی ترجمانی بن دیکھے مقام کا حال بتاتا ہے۔

شاعری کی صحیح تعریف یہ ہے کہ وہ لفظوں میں شاعر کے جذبات اور تاثرات کی تصویر ہے اور جذبات و تاثرات صرف ذاتی واردات ہو سکتے ہیں وہ نقالی اور اخذ و سرقہ سے ادا نہیں ہو سکتے۔ یہ ہار سچے موتیوں ہی سے تیار ہوتا ہے۔ جھوٹے موتی اس کیلئے بیکار ہیں۔

غزل گوئی کوئی بُری چیز نہیں لیکن اس کے لئے زخمی دل درکار ہے۔ اس کے لکھنے کیلئے سیاہی بازار کی بوتلوں میں نہیں ملتی خوں چکاں سینوں میں پائی جاتی ہے۔ دل سوختہ میرؔ کی کامیابی کا راز نصیحتؔ کے اُس فقرے میں ہے جو بوڑھے باپ نے اپنے نوجوان شاعر بیٹے کو کی تھی "اے پسر عشق بورز" تجربہ کار سعدی نے یہ بے سبب نہیں کہا تھا کہ "تا نہ افتد نہ دانی" داغؔ کے کلام میں جو خوبی ہے وہ یہی ہے کہ اس میں عشق کی ایک ایک گھات اور حسن کی ایک ایک ادا اس طرح بیان ہوئی ہے کہ جس پر بیتی ہو اس کو ہر قدم پر اپنی بات یاد آتی ہے اور مزے لیتا ہے اور جس پر نہیں بیتی اس کو اس میں وہ لطف ملتا ہے جو تاریخ و جغرافیہ کے شائق کو کسی غیر کے سفرنامہ میں۔

غرض کلام کی یہ صنف حقیقت کی طالب ہے۔ غیر کی کہانی اپنی زبانی ایسی بے مزہ حکایت ہے جس میں اثر پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ غزل کی دوسری صفت وہ ہے جو رومی

خسرو و حافظ کا سرمایہ ہے یا جو اردو میں مظہر۔ درد۔ نیاز اور ایک معنی میں غالب کے خزانہ میں ہے وہ حقیقت اسی نکتہ دانی اور علم اسرار کے فیض و برکات کا عطیہ ہے لیکن یہ سعادت زور بازو کی ممنون نہیں بلکہ خدائے بخشندہ کی بخشش ہے جو ہر شخص کی قسمت میں نہیں۔

یہ عجیب بدنصیبی ہے کہ ہماری شاعری کی پیدایش اس وقت ہوئی جب قوم پر مُردنی چھائی تھی اس کی ساری قوتیں ٹھنڈی تھیں اور یاس و نا امیدی اس کو ہر طرف گھیرے تھی ایسی قوم کے دل و دماغ میں قویٰ کا اشتعال واقفیت کی قوت اور مقصد کی بلندی اور عزم و ہمت کا جوہر کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ فردوسی نے محمود کو پیدا کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ محمود نے فردوسی کو پیدا کیا۔ اگر محمود کی تلوار یہ ہنگامہ آفریں عہد پیدا نہ کرتی تو رستم و سہراب اور کیکاؤس و افراسیاب کے بوسیدہ ڈھانچوں میں یہ جان نہیں پڑ سکتی تھی اور نہ رزم و جنگ کی یہ رجز و ہیبت، تلواروں کی یہ جھنکار اور داد و شجاعت کے یہ افسانے فردوسی کی زبان و قلم سے ادا ہو سکتے تھے۔ سامانی۔ غزنوی۔ غوری۔ سلجوقی۔ خوارزم شاہی اور تیموری شعراء کے کلام میں یہ زور ان کے زمانہ کے بادشاہوں کے فتوحات کا بخشا ہوا تھا۔ کشور کشا سلاطین دنیا کو زیر و زبر کر کے قوم کے افراد میں زندگی پیدا کرتے تھے اور اس کشاکش اور تصادم کی چقماق سے وہ آگ پیدا ہوتی تھی جو ہر طرف گرمی اور طاقت پیدا کرتی تھی بادشاہ کے فتوحات اور واقعی کارناموں کی حکایت شعراء کے کلام میں صداقت کا زور اور واقعیت بیان کا جوش پیدا کرتی تھی۔ یہ چیز محمد شاہ اور ظفر شاہ کے عہد میں جو

اردو شاعری کا دور کمال ہے کب ہاتھ آسکتی تھی ۔ ذوق چاہے جتنا زور بھی لگائیں گروہ بات کہاں سے آسکتی تھی جو عنصری، معزی ۔ خاقانی اور عرفی وکلیم میں تھی ۔ غالب جو کسی حریف کو اپنی خاطر میں نہیں لاتے تھے وہ اپنے اندر ظفر شاہ جیسے شطرنج کے بادشاہ کی مدح و ثنا میں وہ زور کہاں سے لاسکتے تھے جو محمود کے مدّاح ملک شاہ سلجوقی کے ثنا خواں اور شروان شاہ کے قصیدہ گو اور قزل ارسلان کے مدح طراز اور اکبر و جہانگیر و شاہجہاں کے درباری شاعروں میں تھا اور یہ کمی غالب کو خود محسوس ہوتی تھی ۔

شاعری کے لئے جس عشق کی ضرورت ہے اس سے مقصود صرف لیلیٰ اور مجنوں جیسا عشق نہیں ہے یہاں عشق اپنے وسیع معنوں میں بولا جا رہا ہے اُس سے قلب کی وہ واقعی کیفیت مراد ہے جو عالم اور ماورائے عالم کی ہر چیز سے لگاؤ پیدا کر سکتی ہے ۔ مناظرِ فطرت سے عشق ہو سکتا ہے ۔ قوم اور ملک سے عشق ہو سکتا ہے کسی بلند مقصد اور اہم مطمح نظر سے عشق ہو سکتا ہے کسی مقدس ذات اور مقدس کام سے عشق ہو سکتا ہے اور ان میں سے ہر عشق شاعری کے ساز کو چھیڑ کر اس کو دھن موسیقار بنا دیتا ہے ۔

اسی طرح اہل سخن اور اصحاب قلم میں جوش و خروش اور قوت و زور پیدا کرنے کے لئے خاص مطلق العنان بادشاہوں کی ضرورت نہیں وہ تو شخصی حکومتوں کا زمانہ تھا جب ہر قسم کی طاقتیں ایک ہی شاہانہ شخصیت میں سمٹ جاتی تھیں اور ملک کے

سارے جسمانی و دماغی کارخانے اسی ایک انجن کی طاقت سے چلتے تھے۔ زمانہ کے نئے انقلاب نے اب یہ طاقت جمہور کے اندر پیدا کر دی ہے، اب قوم کی سرگرمی اور ملک کی جد و جہد جمہور کی کوششوں کا نتیجہ ہے اس لئے جو کام پہلے شاہانہ کارناموں کے زور سے انجام پاتا تھا وہ جمہور کے زور سے انجام پاتا ہے۔ اب سلاطین کے فتوحات کی طاقت نہیں بلکہ قوم کی فاتحانہ اور اولوالعزمانہ طاقت اہل سخن اور اصحاب قلم کے سینوں میں جوش، زبانوں میں تیزی اور قلموں میں روانی پیدا کرتی ہے۔ اب زمانہ سلاطین کے درباری شعراء کا نہیں بلکہ قومی اور ملّی شاعروں کا ہے جو بادشاہوں کے مدحیہ قصیدوں کی جگہ ملک و ملّت کے جذبات کی ترجمانی کریں اور اپنی رجز خوانی سے اس کے سپاہیوں کا دل بڑھائیں

دلّی کی سلطنت نکل جانے کے بعد ہمارے شاعر اور سخن ور مدت تک رنج و الم اور نوحہ و ماتم میں مصروف رہے۔ حالیؔ نے اس دَور کا آغاز کیا۔ جبتک جیتے رہے خود روئے اور دوسروں کو رُلاتے رہے۔ اکبؔر کے دور میں ذرا لبوں پر مسکراہٹ آئی اور نوحہ و ماتم کی جگہ طعن و طنز نے لی۔ شبلؔی نے رجز خوانی شروع کی یہ تینوں گو بڑے چھوٹے معاصر تھے مگر ان کی اُردو شاعری کا زمانہ نسبتہً ایک دوسر کے بعد ہے۔ اقبالؔ آئے تو قوم کا قافلہ سفر کو آمادہ ہو چکا تھا اس لئے وہ بانگ درا کے ساتھ آئے اور خود ہی کہا ؎ اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا

بڑی لڑائی کے بعد سیاسیات کے انقلاب کا رخ جب سے بدلا ہے ہماری نئی شاعری کا رنگ بھی بدل رہا ہے اب نوحہ و ماتم طعن وطنز اور رجز خوانی کے بدلہ انقلاب انقلاب کا نعرہ ہے۔ اب کچھ اور ہی چیزیں ہمارے سامنے ہیں اور قوم و ملّت کے قافلے کسی اور ہی سمت کی طرف قدم بڑھانے کے لئے سفر کا سامان باندھ رہے ہیں اس انقلاب نے ہماری زبان میں بہت سے اچھے اچھے سخنور پیدا کئے ہیں۔ زمانہ کے ان نئے خوش فکر شاعروں میں ایک اس مجموعہ کے مصنف محمودؔ اسرائیلی صاحب ہیں جن کی نظمیں اکثر اخباروں اور رسالوں کے صفحوں کی وجہ عزت بنتی رہتی ہیں۔ ان کے کلام پر ایک سرسری نظر یہ راز فاش کر دیتا ہے کہ وہ شبلیؔ، اقبالؔ اور ظفرؔ علی خاں کے اصناف سخن سے بہرہ ور اور متاثر ہیں۔ وہ ایک ایسے اسلامی شاعر ہیں جو وطن کی خدمت میں تضاد اور بیر محسوس نہیں کرتے۔ وہ قومیت اور وطنیت کے تنگ مفہوم کو ننگ سمجھتے ہیں۔ وہ یورپ کے ملمّع تمدن کے فریب سے آگاہ اور اسکی انسانیت کی درندگی سے واقف ہیں اور اس کی سیاسیات کے بدنما چہرہ پر جو رنگین نقاب پڑی ہے اس سے ان کا تارِ نظر الجھا نہیں ہے۔

غرض وہ اسلام کے ہندی شاعر یا ہندوستان کے مسلمان شاعر ہیں اور ہندی مسلمانوں کے سامنے ملک و ملّت اور دین و سیاست کے حقیقی رموز اور واقعی اسرار آشکارا کرتے ہیں۔ اور ہندی مسلمانوں کو اسلامی جذبات اور

وطنی خدمات کے لئے یکساں دعوت دیتے ہیں۔

ان کی اخلاقی اور تاریخی شاعری میں شبلی کا تخیل ہے، ان کی سیاسی اور وطنی شاعری میں ظفر علی خاں کی پرکاری ہے ان کی حقیقت شناسی اور اتحاد اسلامی کے ساز میں اقبال کا ترانہ ہے۔ سیرت نبوی اور ہجرت مبارکہ کے بیان میں سوانح نگاری کے ساتھ ایک شاعر کے قلم کے ساتھ ایک مسلمان کا دل بھی ہم آہنگ ہے اُن کے وطنی جذبات کی تراوش میں کوزہ کی تنگی کے بجائے دریا کی پوری پہنائی ہے

ان سب کے ساتھ شاعر انقلاب کے نئے آثار اور نتیجوں سے بھی رنجیدہ اور سرمایہ داروں کی بیرحمیوں سے بھی ملول ہے، وہ عہد حاضر کے ان نوجوان شاعروں میں نہیں جو اوپر کے بہتے ہوئے خیالات کے سہارے اس لئے چلنا چاہتے ہیں کہ وہ خس و خاشاک کی طرح آسانی سے ظاہر نمائی کی منزل کو قطع کر سکیں جو انقلاب، مزدور، کسان، سرمایہ دار کے لفظوں سے کھیل کر اپنے کو انقلابی اور اپنی قومی جذبات کی پستی سے اپنے کو بلند ظاہر کرتے ہیں جو کبھی پریاگ میں اجمیر اور کبھی اجمیر میں پریاگ بناتے ہیں۔

محمود اسرائیلی صاحب کی ایک خوش قسمتی یہ ہے کہ انھوں نے غزل گوئی کے پامال کوچہ میں قدم نہیں رکھا اور عشق و محبت کے جھوٹے موتیوں سے اپنے جیب و دامن کو نہیں بھرا وہ زلف دراز کے گرفتار اور چشم سیاہ کے مسحور

اور حسن عارض کے گردیدہ نہیں ہیں۔ ان کے سینے میں دکھاوے کے غم عشق اور نمایش کی
آہ ونالہ کی جگہ نہیں گو "عاشقانہ" نظموں کا اس مجموعہ میں بھی ایک عنوان ہے مگر عشق و
محبت کی اس داستان میں "آپ بیتی" نہیں "جگ بیتی" ہے اور جو کچھ ہے وہ شاعر کا
داخلی نہیں خارجی رنگ ہے۔

فکاہات کے عنوان سے بھی چند نظمیں ہیں مگر یہ بھی شاعر کا اصلی مذاق نہیں اسلئے
یہ لطیفے لبوں پر مسکراہٹ لائے بغیر متانت کے انداز میں سنائے گئے ہیں یہ "فکاہات"
اکبر کے رنگ میں نہیں بلکہ الہلال کلکتہ کے حضرت "کشاف" یعنی مولانا شبلی کے رنگ
میں ہیں جن کو "فکاہات" کے بجائے "طنزیات" کہنا چاہیے

سیاسیات کے عنوان سے شاعر کی فکر رسا نے جو کچھ کہا ہے وہ ستایش کا مستحق
ہے، خیالات درست، دعوت صحیح اور طرز ادا دلکش ہے۔ سیاسیات میں گو وہ کانگریس
کا ہمنوا ہے مگر اپنے قومی جذبات اور ملّی ضرورتوں سے بے پروا نہیں۔ ملک اور دین کی
خدمت میں جو تضاد بعض کم سوادوں کو نظر آتا ہے اس کی گہری نگاہ میں وہ منطقی مغالطہ
کے سوا کچھ اور نہیں، غرض اس باب میں اس کے خیالات و تعلیمات بیحد سنجیدہ ہیں یعنی
مذہب و سیاست اور دین و وطن کے جذبات کی معتدل آمیزش، مشرق سے صحیح
عقیدت اور مغرب کی صحیح تنقید، مظاہر فطرت کی تصویر میں اس کے موقلم کی ہر کشش
تعریف کے قابل ہے تصور کا اچھوتا پن تشبیہوں کی رنگینی استعاروں کی لطافت

اور طرزِ ادا کی دل کشی اس کے شاعرانہ کمال پر دلیل ہے۔

شاعر کا کلام تعلّی کے عشق سے بھی پاک ہے۔ دین و مذہب، ملک و ملت اور مناظر فطرت سے اس کو سچا عشق ہے اور اسی عشق کے مظاہر اس کی نظم میں نمایاں ہیں۔ وہ شاعرِ انقلاب اور شاعرِ شباب نہیں، وہ شاعرِ حقیقت ہے، اس کے کلام میں نادان نورسیدہ نوجوانوں کے خام ولولوں اور ناتمام جذبوں کی نمائش نہیں بلکہ پختہ کار، دانایانِ عقل کی حقیقت ہے، اس میں کم فہم شباب کا ہنگامی جوش نہیں بلکہ سن رسیدہ اور پختگی کی سمجھی بوجھی اور غور و فکر سے طے کی ہوئی مستقل رائے ہے۔ غرض وہ سراب نہیں، شراب نہیں، نہرِ رواں ہے اور شہدِ مصفا ہے۔

دیسنہ۔ ضلع پٹنہ

۱۴ ر جولائی سنہ ۱۹۳۷ ہجر

(مولانا) سید سلیمان ندوی

تعارُف

تعارف

(از حضرت علاّمہ مہر محمد خاں صاحب شہابؔ مالیر کوٹلوی)

اب جبکہ حضرت محمودؔ اسرائیلی کا کلام اہل علم وادب کے سامنے کتابی صورت میں پیش ہو رہا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کتاب کے متعلق چند باتیں مختصراً عرض کردیں کہ حالاتِ مصنف کے آئینہ میں کتاب کے اور کتاب کے آئینہ میں مصنّف کے خدوخال اور جواہر کمال سمجھنے اور پرکھنے میں زیادہ آسانی ہوا کرتی ہے۔

حضرت محمودؔ اسرائیلی کا پورا نام محمود الحسن صاحب اسرائیلی وطن سنبھل (مراد آباد) آپ کے والد ماجد کا نام مولوی علی حسن صاحب اسرائیلی اور دادا کا نام

مولوی تعظیم اللہ صاحب اسرائیلی تھا۔

لفظ "اسرائیلی" جو آپ کے نام کے ساتھ لکھا جاتا ہے اس کی تاریخ ہمیں نبی کریمؐ کے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی یاد دلاتی ہے جو یہود مدینہ کے مشہور علماء میں سے تھے اور نبی کریمؐ کے کمالات نبوت دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی نسل اطراف عالم میں پھیلی اور شاہان سلف کے زمانے میں جس کا صحیح تعین مشکل ہے اس خاندان کے بعض اہل علم افراد ہندوستان میں آئے اور ملک کے دیگر حصوں کے علاوہ کچھ یوپی کے بعض شہروں میں آباد ہو گئے چنانچہ سنبھل میں بھی جو اس زمانہ میں صوبہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بعض بزرگ آباد ہو گئے۔ مولٰینا آزاد نے دربار اکبری میں جن شاہ حاتم صاحب کے ظاہری و باطنی کمالات کا تذکرہ کیا ہے وہ خاندان بنی اسرائیل ہی کے چشم و چراغ تھے اور سنبھل میں محلہ حاتم سرائے انہی بزرگوار کے نام سے آباد ہے۔ سنبھل کی طرح علیگڈھ میں بھی خاندان بنی اسرائیل کے کچھ افراد آباد ہیں۔ ان دونوں مقامات میں صدیوں تک دینی قیادت اسی بزرگ خاندان نے کی اور اپنے علم و فضل اور زہد و ورع سے دُور دُور تک لوگوں کو فیض پہنچایا۔ اکثر بڑے پایہ کے مشائخ گزرے ہیں۔ دینی کمالات کے ساتھ دنیوی جاہ و حشم بھی ان کو حاصل تھا صاحب جائداد تھے مگر زمانے نے کس کا ساتھ دیا ہے جو ان کا ساتھ دیتا اس خاندان پر بھی انقلاب آیا۔ غدر دہلی نے لال قلعہ والوں کو رنگون پہنچوا دیا اور

کتنے مردوں کو مُردوں میں ملادیا۔ اسی پُرآشوب زمانہ میں حضرت محمودؔ کے دادا حضرت مولوی شیخ تعظیم اللہ صاحب اسرائیلی جو علم وفضل سے زیادہ ذاتی وجاہت و جسمانی شجاعت میں مشہور تھے تلاش معاش میں گھر سے بے گھر ہوئے۔ جدی جائداد اسی فتنہ میں ختم ہوگئی۔

حضرت محمود کی دادی صاحبہ بڑی عالمہ وفاضلہ اور بڑے دبدبہ کی خاتون تھیں آپ نے فارسی اور عربی کا درس جناب مولانا عبدالسلام صاحب اسرائیلی مفتی بلدۂ سنبھل سے لیا تھا گلستاں اور بوستان تو قریب قریب آپ کو حفظ یاد تھیں۔ حضرت محمود کی زبانی سنا ہے کہ دوران گفتگو میں گلستاں اور بوستان کے پاکیزہ حکیمانہ اقوال و اشعار برمحل استعمال فرماکر حسنِ کلام میں چار چاند لگا دیا کرتی تھیں۔ اُن کے ایک بھائی نواب مرشد آباد کے ہاں قاضی القضاۃ کے جلیل القدر عہدے پر مامور تھے۔ مرشد آباد سے فینس میں سوار ہوکر سنبھل تشریف لاتے۔ چوبداروں۔ کہاروں اور خادموں کا گرذہ کا گروہ ہمراہ ہوتا تھا۔ حضرت محمودؔ فرماتے ہیں کہ قیام کلکتہ کے دوران میں ہر چند چاہا کہ اُن مرحوم کے پس ماندگان کا سراغ لگاؤں مگر کچھ پتہ نہ چلا۔

حضرت محمودؔ کے والد ماجد حضرت مولوی علی حسن صاحب اسرائیلی نے باپ سے چھُپ چھپ کر انگریزی پڑھی کیونکہ اس زمانے میں عموماً انگریزی پڑھنا کفر سمجھا جاتا تھا خاص کر خاندان بنی اسرائیل میں جس کے افراد کے ہاتھوں میں علوم دینیہ کی عنان تھی

اسی انگریزی دانی کی وجہ سے مولوی علی حسن صاحب نے ڈاک خانے میں ملازمت حاصل کی۔ رفتہ رفتہ اس محکمے میں اعلیٰ عہدے پر پہنچ گئے مگر اسی زمانے میں والدہ کے اصرار اور محکمہ کی پابندیوں سے تنگ آکر آپ نے انگریزی ملازمت ترک فرمادی اور ریاست دھام پور کے ہندو رئیس کے پہلے اتالیق پھر سکریٹری مقرر ہوئے۔ رئیس کو آپ پر صرف اعتماد ہی نہ تھا بلکہ وہ آپ کا معتقد بھی تھا اس لئے کوئی کام آپکے مشورہ کے بغیر نہ کرتا تھا۔

حضرت محمودؔ اپنے چھ بھائیوں میں سب سے بڑے بھائی ہیں۔ آپ نے والد کی زندگی میں میٹرک پاس کرکے اعلیٰ تعلیم کی کوشش کی گرچونکہ والد کی زندگی نے وفا نہ کی اور خود ان کی صحت بھی اس وقت جواب دے چکی تھی ڈاکٹر نے ترک تعلیم کا مشورہ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نینی تال پہاڑ پر سرکاری ملازمت مل گئی جہاں پر بچپن میں اپنے عم بزرگوار کی نگرانی میں کئی برس انگریزی تعلیم حاصل کی تھی۔

پہاڑی علاقہ۔ ماحول کی زیبائی و رعنائی فطرت کا شباب۔ خداداد شاعرانہ طبیعت نے اپنے جوہر دکھانا شروع کئے اور بمصداق "الشعر تلامیذ الرحمٰن" حضرت محمودؔ کی شاعری کا آغاز نینی تال میں ہوا۔ اور خود فطرت کے حُسن زار نے آپ کو شعر گوئی پر مائل کیا۔ شعر گوئی کا ورثہ خاندانی بھی کچھ نہ کچھ ضرور ملا تھا کیونکہ آپ کے والد ماجد خوش فکر شاعر تھے مگر موصوف کی شاعری اپنے مخصوص ذی علم حلقۂ احباب ہی تک محدود تھی

گو زمانہ کا تمام رنگ غزل گوئی تھا مگر حضرت محمودؔ نے غزل کو اپنے کمالات کے اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا۔ اگرچہ غزلیات کا قلمی دیوان موجود ہے مگر ان غزلوں کو زمانہ کی رسم یا اساتذہ و احباب کے اصرار کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ ان کی طبیعت کو غزل گوئی سے خاص لگاؤ نہیں۔

جہاں تک ظاہری تلمّذ کا تعلق ہے ابتداً آپ نے مولینٰا سید رضا علی وحشتؔ کلکتوی سے اور پھر حضرت منشی احمد علی شوقؔ قدوائی لکھنوی سے استفاضہ کیا ہے۔ حضرت وحشتؔ غزل کے مشہور استاد ہیں اور حضرت شوقؔ تغزّل کے علاوہ دیگر اصناف سخن پر بھی قادر۔ اور زبان کے نکات و رموز کے ماہر کامل تھے۔ پس محمودؔ نے شوقؔ سے زبان کی باریکیاں اور لطافتیں اور وحشتؔ سے جوش بیان حاصل کیا، لیکن شاعری میں اپنی راہ ان دونوں استادوں سے الگ بنائی۔ آپ کے کلام میں واقعہ نگاری، فطرت کی عکاسی و نقاشی اور حسن کاری کا شاعرانہ کمال جابجا بدرجہ اتم موجود ہے۔ آبائی ورثۂ علمی۔ بزرگوں کی صحبت، اساتذہ کی ہم نشینی کے علاوہ ممالک اسلامیہ مصر شام۔ بیت المقدس حجاز اور ہندوستان کے مشرق و مغرب اور جنوب و شمال کی سیاحت میں حضرت محمودؔ نے جو تجارب حاصل کئے ان سے آپ کی شاعری کو بڑی رفعت حاصل ہوئی۔

حضرت محمودؔ کے کلام کو اگر بلحاظ نوعیت مضمون تقسیم کیا جائے تو تین اقسام پر منقسم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) قومیات (۲) مناظر فطرت ۔ (۳) عاشقانہ

قومیات میں آپ کا کوئی خاص رنگ نہیں ۔ کہیں آپ مولانا حالؔی علامہ شبلؔی اور ڈاکٹر اقبالؔ کی پیروی کرتے ہیں کہیں اکبرؔ کی لیکن ان سب میں شبلؔی و اقبالؔ اور پھر خصوصاً شبلؔی کا رنگ غالب ہے ۔ تاہم اس قسم کی شاعری میں آپ کا کمال کہیں دبتا ہوا نظر نہیں آتا ۔ شبلؔی کی شاعری میں تاریخی اور اقبالؔ کی پیغامی شاعری میں علم و نظر کا رسوخ دونوں کا جوہر ہے حضرت محمودؔ ان دونوں کے پیرو ہیں

غزل کے نام سے آپ کی عاشقانہ شاعری کچھ پھیکی سہی مگر نظموں میں عاشقانہ ٹکڑے جا بجا موسم بہار کے پُر رنگ و پُر شباب پھولوں کی طرح بکھرے پڑے ہیں ۔ رہی فطری شاعری سو یہی حضرت محمودؔ کے کمالات شاعرانہ کی جولانگاہ ہے ۔ اس میدان میں اردو زبان کے شعراء کی طویل فہرست میں نظیرؔ ۔ انیسؔ و دبیرؔ وغیرہ کے نام نمایاں ہیں ۔ نظیرؔ کے لہجہ کلام کی عمومیت نے اس کو ثقات کی مجلس سے الگ رکھا ۔ انیس و دبیر کے ہاں فطرت نگاری اور مناظر قدرت شاعری کا اصل موضوع نہیں بلکہ ضمنی چیزیں ہیں جو ان کے کلام میں آتی اور بار بار آتی اور خوب آتی ہیں مگر ان چیزوں کے بیان میں ان کا مدعا ان چیزوں کا بیان نہیں ہوتا بلکہ ضمنی بحث کی طرح اور مباحث کی طرح نگاہ ان مباحث یا مناظر پر بھی پڑ جاتی ہے لیکن حضرت محمودؔ کے ہاں شاعری کا موضوع ہی فطرت اور مناظر قدرت کی تشریح بلکہ عکاسی، نقاشی اور تصویر کشی ہے ۔ وہ کسی موضوع پر بھی قلم اٹھائیں بے ساختہ مناظر

قدرت کی تصویر پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ بہار کی رنگینی اور فطرت کی رعنائیاں ان کو بےخود کر کے نغمہ سنجی اور ترنم ریزی پر مائل کرتی ہیں۔ حتیٰ کہ بہار اور متعلقاتِ بہار کے مخصوصات اور دیگر الفاظ و محاورات تک ان کی زبان پر قابض اور دل پر مسلط ہیں۔

گل و بلبل کی شاعری ہمارے ہاں خدا جانے کیوں مردود خیال کی جاتی ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ حضرت محمودؔ نے گل و بلبل، غنچہ۔ کلی۔ شگوفہ۔ رنگ و شادابی اور نغمات بلبل سے ایک طرف آسمان۔ تارے۔ چاند۔ سورج۔ قطرات اشک۔ تقاطر امطار، دریا کی امواج دریا کے عمق موتیوں کی لڑیاں۔ ہیروں کی کنیاں۔ لعل کی کان۔ بادل کی کڑک۔ بجلی کی چشمک وغیرہ آثار فطرت اور شباب بہار ہستی سے دوسری طرف ایسا اور اتنا کام لیا ہے کہ دوسرا شاعر بمشکل اس کی نظیر پیش کر سکتا ہے۔

حضرت محمودؔ اپنی شاعری میں جا بجا ان ہی چیزوں اور ان کے متعلقات سے چمن آرائی باغِ سخن کرتے نظر آتے ہیں۔

اشعار نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ خود قارئین کرام کا کام ہے ملاحظہ فرمائیں اور کلام محمود کے متعلق فیصلہ کریں چونکہ ہمارے ناقص خیال میں حضرت محمود کی شاعری ہماری زبان میں اپنی قسم کی خاص شاعری ہے اس لئے ضرورت نہیں کہ دوسرے شعراء سے آپ کے کلام کا لفظی یا معنوی موازنہ کیا جائے۔ گو یہ نہایت دلچسپ موضوع تھا کہ مسائل حیات

اور فلسفیانہ نکات کا آپ کے کلام میں کھوج لگا کر بتایا جاتا کہ حضرت محمودؔ نے اپنی شاعری میں کس فلسفہ کی پیروی کی ہے تاہم ظاہر اکلام کو دیکھتے ہوئے اتنا کہنا مناسب ہے کہ حضرت محمود نے اپنی شاعری میں فلسفیانہ ژرف نگاہی کے بجائے مصور کی نظر سے اشیار عالم کو دیکھا اور اسی کی ہو بہو تصویر پیش کی ہے۔

اگرچہ بحساب ابجد کتاب کا تاریخی نام "معراج خیالات" ہے لیکن موضوعِ سخن کے لحاظ سے "خیاباں" سے بہتر دوسرا نام شاید کوئی نہیں ہو سکتا۔

(حضرت علّامہ) مہر محمد خاں شہابؔ

بمبئی ۱۰ر مارچ سنہ ۱۹۳۷ء　　　　مالیر کوٹلوی

دیباچہ طبع ثانی

ملکی دار المطالعہ اور کتب خانوں کے رجسٹر جمہور کے علمی رجحان کا پتہ دیتے ہیں۔ کتب فروشوں کی دوکانوں سے پبلک کے مذاق کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اگرچہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقے میں ابھی اخبار بینی اور مطالعۂ کتب ضروریات زندگی میں شامل نہیں۔ ابتک عموماً قابل مطالعہ کتب پر خرچ کرنا "مصرف بیجا" خیال کیا جاتا ہے۔ مطالعہ کے شائقین کا متوسط طبقہ رومانی چمنستان کی خوشہ چینی کا دلدادہ اور اعلیٰ طبقہ انگریزی کتب کے مطالعہ کا شیدا تھا۔ نثر میں ناول، افسانے، قصص وحکایات وغیرہ اور نظم میں مثنویاں اور غزلیات رومانی

جذبات کی تشنگی فرو کرنے کے لئے زیر مطالعہ رہا کرتی تھیں۔

مگر زمانے کا رنگ بدلا۔ نئے مسائلِ حیات سامنے آئے۔ مغربی علوم و فنون نے صفحۂ ادراک کو نئے نقش و نگار سے آراستہ کیا جس نے زاویہ نگاہ بدل دیا۔ اس ذہنی انقلاب نے اُردو کے قابل انشاپردازوں اور بالغ نظر شاعروں کو مفید تصانیف لکھنے پر مائل کیا رفتہ رفتہ اہل علم اصحاب میں ذوق علمی پیدا ہوا اور وہ اپنی زبان کی قابل قدر کتب کے مطالعہ پر راغب ہوئے۔ ابتداً اس انقلاب سے اردو شاعری متاثر ہوئی اور متاثر ہونا لازمی تھا کیونکہ سوسائٹی کے قلب کی غیر محسوس جنبش دیکھنے کا یہی آلہ ہے۔ قومی ترقی یا تنزل کی صحیح رفتار اس دُوربیں سے صاف نظر آتی ہے۔

علامہ اقبالؔ مرحوم کے بلند پایہ کلام نے اہل ذوق کی عموماً اور انگریزی داں طبقے کی خصوصاً آنکھیں کھولیں انھوں نے نہ صرف ان حضرات میں خودداری و خود اعتمادی کے جذبات پیدا کئے بلکہ اس بیدینی کے سیلاب کو بھی روکا جو انھیں الحاد کی خطرناک گھاٹی کی طرف بہائے لیجا رہا تھا ملک کے دوسرے شعراء نے بھی اپنی شاعری کو قومی اصلاح و ترقی کا ذریعہ بنایا' ان میں روح بیداری پھونکی اور دلوں میں شاعری کا مذاق سلیم پیدا کیا۔

خیاباںؔ کی اشاعت بھی اسی مقاصد کے زیر تحت تھی۔ بحمد اللہ کہ اس نے ملک میں ہر دلعزیزی حاصل کی۔ اس کی مقبولیت ہی اب مجھے دوسرا ایڈیشن شایع کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ خیاباںؔ کا یہ ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے کچھ مختلف ہے کیونکہ اب یہ چند ترمیموں اور کافی اضافہ کے بعد شایع کیا جا رہا ہے پہلا حصّہ دینیات سے متعلق ہے۔ جو حمد۔ نعت۔ سیرت رسولؐ۔ سیرت صحابہ کرامؓ۔ اکابرینِ ملت

وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ان منظومات کی اشاعت سے مسلمانوں کے قلوب میں دین کی عظمت اور قومی خدمت کا ولولہ پیدا کرنا مقصود ہے۔ دوسرے حصہ میں کچھ تفریح طبع کا سامان مہیّا کیا گیا ہے یعنی مناظر قدرت کی دلکش تصویریں سجائی گئی ہیں[1]۔ ان میں بعض نظمیں اس لئے امتیازی شان رکھتی ہیں کہ دوسرے بلند نظر شعرا کی نگاہ تجسّس ان دلفریب مناظر کی طرف ملتفت نہیں ہوئی جو ان میں بیان کیے گئے ہیں مثلاً بحری پرندہ۔ چکور اور چاند۔ سمندر کا نظارہ۔ برفباری وغیرہ وغیرہ۔ تیسرا حصہ عاشقانہ ہے جس میں حسن و عشق کے جیتے جاگتے مرقعے نظر آئیں گے۔ اس کے بعد مشہور اساتذہ کی غزلیات وغیرہ پر خمسے اور تشطیریں ہیں۔ خمسوں کے اضافہ کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ شاعری کی یہ دلچسپ صنف اب قریب قریب مٹتی جا رہی ہے اور شاذ و نادر جو خمسے اردو رسائل میں دیکھے جاتے ہیں وہ اپنے معیار پر پورے نہیں اُترتے۔ تشطیروں کے اضافہ سے اردو شاعری میں دل پذیر اضافہ کیا گیا ہے۔ شاعری کی یہ صنف عربی داں شعرا میں بہت مقبول ہے۔ حیرت ہے کہ شعرائے ہند و عجم کا کلام ابتک اس سے محروم رہا۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ صنف جس قدر دل پذیر و دلکش ہے اسی قدر مشکل بھی ہے کیونکہ اصل شعر کے دونوں مصرعوں کے درمیان

---

[1] نوٹ۔ ان نیچرل نظموں میں افادیت کا پہلو بھی ہے جو عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مناظرِ قدرت کے یہ ادبی مرقعے ہیں قدرت کی ان نادرہ کاریوں کو مشاہدہ کرنے کا شوق دلاتے ہیں۔ شوق طبیعت میں "تاثر" کا عمل پیدا کرتا ہے اور علم نفسیات کے اصطلاح میں "تاثر" سے ارادت کا ذہنی عمل ظہور میں آتا ہے جس کے اثر سے ہم قدرتی مناظر کے مشاہدہ کی طرف راغب ہوتے اور اپنے حواس خمسہ کی مدد سے موجودات عالم کی معلومات حاصل کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ہم کو کائنات کی ہر شے سے اُنس پیدا ہو جاتا ہے اور یہی اعلیٰ اخلاق کا سنگ بنیاد ہے۔ یہی انس ہم کو نباتات و جمادات اشیائے محسوسہ و غیر مرئی کے تجزیہ کی طرف مائل کرتا ہے اور یہیں سے تحقیق و تفتیش کی راہیں نکلتی ہیں جو انسان کو علوم کیمیا و طبیعیات سے گزارتی ہوئی ایجاد و اختراع کی دنیا میں پہنچا دیتی ہیں۔

اس خوبی سے نئے مصرعے پیوست کئے جاتے ہیں کہ ہر مصرعہ تکمل شعر بن جاتا ہے گویا اصل شعر کے مصرعہ اولی کے بعد اور مصرعہ ثانی سے قبل چسپت گرہیں لگائی جاتی ہیں۔ اس گوٹ کنار سے نہ صرف شعر کی دلکشی ہی میں اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ اس کی وضاحت ہو جاتی ہے اور بعض حالتوں میں تو شاعر کی رنگینیٔ طبع اسے بالکل دوسرے رنگ میں پیش کر دیتی ہے۔ اس حصہ میں سب سے پہلے بطور تبرک حضرت محسنؒ کاکوروی کے مشہور و معروف نعتیہ قصیدے کی تشطیر درج کی گئی ہے جس کی تشبیب تغزل کے بہترین رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے اور گریز اس سے زیادہ پر لطف و موثر ہے شاید اردو شاعری میں ابتک اس سے بہتر نعت فکر نہیں کی گئی۔ اس نعتیہ قصیدے کی انھیں خوبیوں نے راقم الحروف کو اس کے چیدہ اشعار کو مشطّر کرنے پر راغب کیا اور بحمد اللہ اسے تکمیل تک پہنچایا۔

خیاباں کے آخری حصہ میں پبلک کے عام مذاق اور کلیات کے عام دستور کے مطابق متفرق اشعار کے دُردانے سجا دیئے ہیں یہ آپکو نفسیات عشق و محبت سے آشنا کرینگے۔ یہ حصہ آپکے دیدۂ شوق کو روحانی چمن زار کے گل بوٹوں کی سیر کرائے گا۔ فنّی لحاظ سے اس میں آپ کو جا بجا جدت طرازی شوخیٔ کلام، لطف زبان، روانی و برجستگی کے اچھے نمونے ملیں گے۔

چونکہ جدید منظومات اور مذکورہ بالا اضافوں کے سبب خیاباں کا حجم کافی بڑھ گیا تھا لہٰذا اس میں سے سیاسی اور قومی نظموں کو نکال کر علیحدہ مجموعوں میں شامل کرنا پڑا ان مجموعوں کے نام ملک وملّت اور انوار دانش ہیں جو ملک کے مشہور کتب فروشوں سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔

سانکلی کراس اسٹریٹ۔ بمبئی ۸
۲۰ ؍ دسمبر ۱۹۴۳ عیسوی

محمود اسرائیلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد

لا معبود الا اللہ

لا مسجود الا اللہ

لا مشہود الا اللہ

لا محمود الا اللہ

لا موجود الا اللہ   لا مقصود الا اللہ

نجم و مہر و مہ میں تو
اور ہر سنگ رہ میں تو
ادنیٰ ہو یا اعلیٰ ہو
ہر ہستی کی تہ میں تو
لا موجود الا اللہ لا مقصود الا اللہ

نسریں و سنبل میں تو
گلشن کے ہر گل میں تو
قمری کے ہر نغمہ میں
فریادِ بلبل میں تو
لا موجود الا اللہ لا مقصود الا اللہ

دریا کے آئینے میں
شبنم کے گنجینے میں
نرگس کی مست آنکھوں میں
اور لالہ کے سینے میں

لا موجود الا اللہ لا مقصود الا اللہ

سیاروں میں تو ہی تو
مہ پاروں میں تو ہی تو
ویرانوں میں تیری جا
گلزاروں میں تو ہی تو
لا موجود الا اللہ لا مقصود الا اللہ

روشن دیدۂ تر تجھ سے
قائم دل کا گھر تجھ سے
اس سے بڑھ کر مقصد کیا
تجھ کو مانگوں گر تجھ سے
لا موجود الا اللہ لا مقصود الا اللہ

زمزمۂ نعت

میخانۂ الست کی صہبا پیا کروں
اور جان نذر ساقیِ بطحا کیا کروں
پیدا سجودسے میں ترا نقش پا کروں
یوں چشم انتظار کو تسکیں دیا کروں
ہر دم زباں سے نام محمدؐ لیا کروں

دل نے حریم شوق کے پردے اٹھادیئے
آنکھوں نے تیرے حُسن کے جلوے دکھادیئے
الفت نے وصل و ہجر کے نکتے سُجھا دیئے
اے دل نواز دل ہی میں اب تیری جا کروں
ہر دم زباں سے نام محمدؐ لیا کروں

بیشک ہے ننگِ سینہ جو اصنام کا ہے دل
تیرا اگر نہیں ہے تو کس کام کا ہے دل
اک لوتھڑا ہے گوشت کا اور نام کا ہے دل
یہ دل تو اس لئے ہے کہ تجھ پر فدا کروں

ہر دم زباں سے نام محمدؐ لیا کروں

ہر دم ہو قلب تیرے تصور سے ہم کنار
ہر لحظہ چشم شوق کو ہو تیرا انتظار
ہر لمحہ تیرا ذکر ہو محبوب کردگار
راتوں کو تیری یاد ہی میں دن کیا کروں

ہر دم زباں سے نام محمدؐ لیا کروں

دل کو دو نیم کر دے تری چشم نیم باز
تیرے ہی سنگ در پہ رہے یہ سر نیاز
دل پر ہوں آشکار فنا و بقا کے راز
میں آرزوئے دید میں مر کر جیا کروں

ہر دم زباں سے نام محمدؐ لیا کروں

اے عالم سخاوت و رحمت کے بادشاہ
محمودؔ بے نوا پہ ہو الطاف کی نگاہ
یہ دل کی آرزو ہے کہ آنکھیں ہوں فرش راہ
پلکوں سے تیرے روضے کے تنکے چنا کروں

ہر دم زباں سے نام محمدؐ لیا کروں

ارمغانِ نعت

معدنِ بخشش و عطا　　منبعِ حُسنِ جاں فزا
زینتِ بزمِ اولیا　　رونقِ محفلِ خدا

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ نبینا

رحمتِ بیکراں ہیں آپ　　مونسِ بیکساں ہیں آپ
صاحبِ لامکاں ہیں آپ　　سرورِ دوجہاں ہیں آپ

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ نبینا

ماہِ سپہرِ منزلت　　گوہرِ بحرِ مرتبت
نکہتِ باغِ معرفت　　پرتوِ نورِ احدیت

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ نبینا

اوجِ نبوت آپ سے　　شانِ رسالت آپ سے
عرضِ شفاعت آپ سے　　لطفِ شکایت آپ سے

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ نبینا

فرشِ زمیں پہ آپ ہیں　　چرخِ مہیں پہ آپ ہیں

عرش بریں پر آپ ہیں　　دِل کے نگیں پر آپ ہیں

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ نبینا

—— ٭ ——

ہدیۂ نعت

صبرِ ایوبؑ - براہیمؑ کی مہمانداری
چمنِ حکمتِ لقمانؑ کی شگوفہ کاری
لحنِ داؤدؑ - سلیماںؑ کی سبک رفتاری
حسنِ یوسفؑ - دمِ عیسیٰؑ - یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ترے شیریں سخن اقوالِ خدا کی تفسیر
ترے آئینۂ دل میں مہرِ حق کی تنویر
پرتوِ حسنِ ازل ہے تری دلکش تصویر
حسنِ یوسفؑ - دمِ عیسیٰؑ - یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تیری ہستی سے ہوئی دینِ مبیں کی تکمیل
تیرا الطاف ہوا بخشش عالم کا کفیل
تیرے ہی جلوے کئے کون و مکاں نے تحصیل
حسن یوسف - دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

شعلہ زن دل میں تھا گوان کے بھی دیدار کا جوش
طور پر جا کے ہوئے حضرت موسیٰ بے ہوش
شب معراج تھا تو اور خدا دوش بدوش
حُسن یوسف - دم عیسیٰ - یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اے مرے ساقی کوثر ہو زرا جلوہ فروش
تیری آنکھوں کے نبی اور ولی ہیں مے نوش
ایک ہی عشوہ سے کر دونوں جہاں کو مدہوش
حسن یوسف - دم عیسیٰ - ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تیرے قدموں میں جو محمودؔ دسیہ کار رہے
پھر نہ حُسنِ مہِ کنعاں کا طلب گار رہے
اور نہ اعجاز مسیحا سے سروکار رہے

حسن یوسف۔ دم عیسیٰ۔ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

سیرتِ رسولِ کریمؐ

جنگِ احزاب کا مزدور

جنگِ احزاب کے ساماں تھے مدینے کے قریب
اور آمادۂ پیکار تھے ظالم کفار
اک عجب دورِ مصائب تھا مسلمانوں پر
تھا ہر اک ان میں سے آلام و مصائب کا شکار
جب کسی طرح نظر آئی نہ تدبیرِ نجات
ہو کے مایوس بنانے لگے سب مل کے حصار

مٹی خود کھودنا اور سر پر اٹھا کر لانا
اللہ اللہ یہ خدمت تھی سپردِ انصار
ایسا مزدور بھی اس پاک جماعت میں تھا
جس کے چہرے سے نمایاں نہ تھے غم کے آثار
پیرہن جس کا خس و خاک سے آلودہ تھا
جسم پر جس کے بہت جم گیا تھا گردِ غبار
جس کے عارض سے رسالت کی ضیا چھنتی تھی
جس کے سینے میں امانت تھے ازل کے اسرار
کون مزدور؟ شہنشاہ جہاں فخرِ رسل
احمدؐ والا نسب، والا گہر، والا تبار
جس کے اخلاق نے صحرائے عرب کو بخشی
چمنستان تمدّن کی دل آویز بہار
جس کے خورشید ہدایت کی ضیا پاری سے
دشت یثرب کا ہر اک ذرہ تھا مشعل بردار
جس کا انداز ترحّم تھا غریبوں کا کفیل
جس کے الطاف و کرم پر تھا یتیموں کا مدار

جو تبسّم سے کھلاتا تھا شگوفے دل کے
جس کے اندازِ تکلّم پہ تھا خود نُطق نثار
جس کی تعظیم کو گردوں بھی جھکا رہتا تھا
جس کے دربار کے تھے جن و ملک خدمت گار
جس کی ہستی سے پڑی کون و مکاں کی بنیاد
جس کی تخلیق سے انساں کو ملا عزّ و وقار
رنگ اور نسل کی دنیا سے مٹا کر تفریق
جس نے مخدوم کی صف میں کیا خادم کو شمار

(ایثار و مساوات)

ایک دن بہرِ سفر نکلے رسولِ مقبول
آپ کے ساتھ تھے کچھ اور بھی اصحابِ کرام
شدتِ تشنگی و گرسنگی کے باعث
سب نے مل کر کیا اک گوشۂ صحرا میں قیام
کرلئے اپنے صحابہؓ نے فرائض تقسیم
اور اسی وقت سے ہونے لگا سامانِ طعام

آپ کی طبع مبارک کو گوارا نہ ہوا
کہ وہ محنت کریں اور میں کروں بیٹھا آرام

ان سے فرمایا کہ آگاہ کئے دیتا ہوں
میرے ذمہ ہے یہاں لکڑیاں لانے کا کام

عرض کی جملہ صحابہ نے بصد عجز و نیاز
کہ ہیں خدمت کے لئے آپ کے موجود غلام

چوب پُرخار کہاں اور کہاں دوش رسولؐ!
کبھی اس کو تو گوارا نہ کریں گے خدّام

آپ نے سن کے یہ فرمایا کہ سچ کہتے ہو
مگر ایثار و مساوات ہیں جزوِ اسلام

اپنی ہستی کو میں کس وجہ سے ممتاز کروں
جبکہ اک بندۂ معبود ہوں میں مثلِ عوام

ابُولہب کی اذیت رسانی

مکّہ میں گرچہ عام تھیں باطل پرستیاں
مرکز تھا شرک و کفر کا بازارِ ذوالمجاز

کرتا تھا بے نقاب اسے اکثر اسی جگہ
جو بت تراشتا تھا کوئی مشرکِ مجاز

ہوتی تھی جس کی دید سے مسرور چشم کفر
جھکتے تھے جس کو دیکھ کر اُن کے سر نیاز

بازار ذوالمجاز میں کہرام مچ گیا
آنکلا ایک روز جو اک مرد پاکباز

جس کی زبان پر اشہدان لآالٰہ تھا
جاتی تھی جس کی عرش تک آواز جاں نواز

اور اس کے پیچھے پیچھے تھا اک دشمنِ خرد
جو ہر قدم پہ دیتا تھا دشنام دل گداز

وہ سنگ و خشت مارتا جاتا تھا بار بار
صرف اس لئے کہ یہ رہے اعلان حق سے باز

پیروں میں زخم پڑ گئے بہنے لگا لہو
باطل سے سرنگوں نہ ہوا پر وہ سرفراز

یہ مرد پاکباز تھا اللہ کا رسولؐ
اور وہ ابولہب تھا ستمگر زباں دراز

ہو کر چچا اذیتیں پہنچاتا تھا مدام
اپنی شقاوتوں پہ تھا جس کو عرب میں ناز

حسن سلوک

حالت کفر میں تھی دشمنِ اسلام صریح
یورشِ مکہ سے پہلے ابو سفیان کی ذات
غزوۂ بدر میں پسپا ہوئے کفّار مگر
ابو سفیاں کے رہا پائے شجاعت کو ثبات
تُندخو، کینہ ور و ظالم و بدخلق تھے یہ
دب کے کرتے ہی نہ تھے ادنیٰ و اعلیٰ سے بات
بدر کے بدلے کے طالب تھے مسلمانوں سے
منہمک رہتے تھے اس فکرِ عبث میں دن رات
اور اسی وجہ سے تھا غسل جنابت بھی ترک
بحرِ عصیاں ہی میں ہوتی تھی بسر ان کی حیات
یورش مکہ کے دن آئے جو بن کر جاسوس
ناگہاں آ گئے یہ حضرت عباسؓ کے ہات

لے کر آئے انھیں دربارِ رسالت کی طرف
دیکھ کر ان کو مسلمانوں کے بھڑکے جذبات
عرض کی حضرتِ فاروق رضؓ نے اے ختمِ رسل
یہ وہ قیدی ہے جو ہے تشنۂ خونِ سادات
اس کے خنجر سے ہوئے ہیں وہ مسلمان شہید
آج تک جن کی فرشتوں کی زباں پر ہیں صفات
اس کی گردن پہ حضور اُن غربا کا خوں ہے
جن کو غربت میں بھی ملتی نہ تھی اکثر خیرات
آپ فرمائیں تو اس کو ابھی کر دوں۔ تہِ تیغ
دیکھیں پھر کیسے بچاتے ہیں اسے لات و منات
سُن کے تقریرِ عمر رضؓ آپ نے یہ فرمایا
جانتا ہوں ابوسفیان کے سارے حالات
یہی بہتر ہے کہ جاں بخش دیں اس قیدی کی
عمر کو اپنی بھی دنیا میں نہیں کوئی ثبات
مجرموں کے لئے گھر اس کا بنے جائے پناہ
جو چلا جائے وہاں اس کو بھی دی جائے نجات

ابوسفیان کو کیا خلق محمدؐ نے مطیع
اُس نے انسان میں دیکھی تھیں کہاں ایسی صفات
کلمہ اس نے پڑھا نعرۂ تکبیر کے ساتھ
اور عزیزوں کو بھی اسلام کی بخشی سوغات
یہ وہی تو ابوسفیاںؓ تھے کہ ہرقلؔ تک نے
جن سے کچھ دین محمدؐ کے سُنے تھے حالات
ان کی گفتار اُسے موم کیے دیتی تھی
گرچہ گمراہ وزیروں کی وہاں تھی بہتات
ہو گیا اس کو نبوت کا مگر دل سے یقیں
اور کہا "دین محمدؐ کے ہیں شاہد توراۃ"

ہجرت کی پہلی منزل

مکّہ کی سرزمیں جو ہے عالم میں انتخاب
چھایا ہوا تھا کفر کا اس پر کبھی سحاب
بجلی کی طرح کوندتا تھا خنجر ستم
روپوش ہو گیا تھا صداقت کا آفتاب

داخل تھے معصیت ہی میں جتنے تھے نیک کام
اک قہر تھا زبان پہ لانا خدا کا نام
بدکاریوں میں ڈوبی ہوئی تھی سرشتِ قوم
خونریزیوں کے ہوتے تھے ہر وقت اہتمام

لیکن خلیلؑ کی وہ دعائیں ہوئیں قبول
اس سرزمیں پہ رحمت حق کا ہوا نزول
وہ طفل جس کے سر پہ نہ تھا سایۂ پدر
بڑھ کر وہ بے نوا بنا اللہ کا رسول

مکہ میں تھا شباب پہ گمراہیوں کا دَور
سہتا تھا یہ یتیم ہزاروں طرح کے جَور
بجھتا نہیں بجھائے سے توحید کا چراغ
کفار کر رہے تھے اسی مسئلے پہ غور

آخر وہ متحد ہوئے اس رائے پر تمام
ہو اس کو قتل کرنے کا فی الفور اہتمام
گھرنے لگے حصار وہ بیت الرسول کا
تشنہ اسی کے خون کی تھی تیغ بے نیام

منظر وہ ہولناک تھا، تاریک رات تھی
تکیہ تھا صرف جس پہ وہ اک حق کی ذات تھی
شیر خدا نبی کے بچھونے پہ سو رہے
یہ دوستی کی شان تھی، ہمت کی بات تھی
اعدا سے بچ کے نکلے جو گھر سے رسول پاک
دیکھا کہ آہ دشمن جاں ہے وطن کی خاک
ایذا رسانیوں پہ ہیں کافر تلے ہوئے
ظالم ہیں، بے کسوں ہی کو کرتے ہیں یہ ہلاک
اس وقت مکہ میں تھا ابو بکرؓ سا رفیق
جن پر تھے آپ اپنے عزیزوں سے بھی شفیق
پہنچے حضور ان کے مکاں تک پیادہ پا
فرمایا "ظلم پر ہے کمر بستہ ہر فریق"
سُن کر اسے ہوئے تو ابو بکرؓ کچھ ملول
لیکن یہ سوچ کر کہ تردّد سے کیا حصول
کی التجا جناب رسالت مآب سے
"حاضر ہے یہ غلام" ہو خدمت اگر قبول

وہ ہولناک رات، وہ سناٹا دور دور
مہ کیا فلک پہ تھا نہ ستاروں کا بھی ظہور
ظلمت میں دیو سے نظر آتے تھے کوہسار
کرتا تھا رہنمائی رخِ مصطفےٰؐ کا نور

اس حال میں تھے صرف ابو بکرؓ ہم سفر
بے آب و بے گیاہ پہاڑوں پہ تھا گزر
اس راہ پُر خطر کو کیا مشکلوں سے طے
ناگاہ کوہ ثوؔر کی جانب اُٹھی نظر

دیکھا کہ جسم اپنا مسافت سے چوُر ہے
اور قصد ہے جہاں کا وہ منزل بھی دُور ہے
حضرت نے بڑھ کے گوش ابو بکرؓ میں کہا
یہ غار ثوؔر ہے یہاں رہنا ضرور ہے

اُترا یہ غم گسارِ نبی پہلے غار میں
باہر رہے رسولِ کریمؐ انتظار میں
سوراخ بھر رہا تھا یہ کپڑوں کو پھاڑ کر
آتا تھا جو نظر شب تاریک و تار میں

حضرت کو اس نے غار کے اندر بلا لیا
زانو کے اوپر ان کو ادب سے لٹا لیا
سوراخ رہ گیا تھا اک اب تک کھُلا ہوا
پاؤں کا اپنے جس پہ انگوٹھا لگا لیا

بیٹھا رہا اسی طرح گھٹنوں پہ جاں نثار
گو ڈس چکا تھا اس کے انگوٹھے کو ایک مار
کچھ آنکھ لگ گئی تھی رسول کریمؐ کی
تکلیف تھی مگر نہیں ہوتا تھا بے قرار

آنکھوں میں اس کی اشک نمودار ہو گئے
افسوس جو ذریعۂ اظہار ہو گئے
شبنم کی طرح جب گل عارض پہ یہ گرے
حضرت کی آنکھ کھل گئی، بیدار ہو گئے

فرمایا آپ نے کہ ابو بکرؓ کیا ہوا؟
کی عرض ہاتھ جوڑ کے "پیغمبر خدا"
"نادم ہوں فرق آگیا راحت میں آپ کی"
"مارِ سیاہ میرے انگوٹھے کو ڈس گیا"

اعجاز یہ نبی کے لعابِ دہن میں تھا
ملتے ہی اس کے درد مٹا جو بدن میں تھا
صحت ہوئی جناب ابوبکرؓ کو نصیب
اس معجزے کا تذکرہ اہل وطن میں تھا

ہجرت کی دوسری منزل

کفّار غارِ ثور تک آئے مگر فضول
اللہ کی اماں میں تھا اللہ کا رسول
کی جستجو بہت مگر آیا نہ کچھ نظر
واپس گئے وہ مکہ کو افسردہ و ملول

دونوں نے چار دن کیا اس غار میں قیام
لاتا تھا روز دودھ ابوبکرؓ کا[1] غلام
بیٹے[2] بھی ان کے آکے سناتے تھے شام کو
مکّہ میں بہرِ قتل جو ہوتے تھے اہتمام

[1] صحیح روایات میں یہی ہے مگر ابن ہشام نے لکھا ہے کہ شام کو حضرت اسماءؓ بھی گھر سے کھانا پکا کر غارِ ثور میں پہنچایا کرتی تھیں

[2] حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ

آگے بڑھے وہاں سے ابوبکرؓ و مصطفےٰؐ
ہمراہ اپنے ابن ارقیط[1] کو لے لیا
کچھ دور غار ثور سے جانے نہ پائے تھے
مشہور شہ سوار سُراقہ[2] نظر پڑا
آتا تھا اپنے گھوڑے کو سرپٹ کیے ہوئے
ترکش میں تیر ہاتھ میں چابک لیے ہوئے
آنکھیں تھیں سرخ قاتل بدمست کی طرح
تھا بادۂ غرور و تکبر پیے ہوئے
گھوڑا اُڑا کا تو گھوڑے کو ظالم نے ایڑ دی
چابک لگا کے کھال تک اس کی اُدھیڑ دی
گھوڑا تھا تند خو اسے تھا چھیڑنا غضب
بے وجہ اس سے جنگ سراقہ نے چھیڑ دی
گھوڑے نے فرش خاک پر اس کو گرا دیا
سارا غرور خاک میں اس کا ملا دیا

---

[1] عبداللہ ابن ارقیط جس کو راستہ بتانے کے لئے اجرت پر مقرر کر لیا تھا۔ [2] سُراقہ بن حشم عرب کا مشہور تیرانداز

دل میں خیال آیا "یہ اچھا شگوں نہیں"
اس حادثے نے پردہ نخوت اُٹھا دیا

ترکش سے اُس نے تیر نکالے جو بہر فال
نکلا "نہیں" جواب میں تو کچھ ہوا ملال
لیکن نہ باز آیا یہ پھر بھی غلام حرص
اس کو یہ آرزو تھی کہ لوں خوں بہا[1] کا مال

جو راہ گیر نکلا سُراقہ یہ ہنس گیا
گھوڑے کو ساتھ لا کے مصیبت میں پھنس گیا
گھوڑا تھا خوش خرام مگر بڑھتا کس طرح
گھٹنے تک اس کا پاؤں زمیں ہی میں دھنس گیا

پھر فال دیکھی تیر سے نکلا "نہیں" جواب
سوچا یہ اس نے آج کچھ آثار ہیں خراب
مجبور ہو کے عرض کی خیر الانام ؐ سے
"ممنون ہوں گا جان اگر بخش دیں جناب"

---

[1] اہل قریش نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص محمدؐ یا ابوبکر رضؓ کا سر مبارک کاٹ کر لائے گا اس کو ایک خوں بہا یعنی سَو اونٹ کے برابر انعام ملے گا۔

کیا مرتبہ تھا آپ کا قربان جایئے
فرمایا "ہم تو بخش چکے جان" جایئے
کی عرض پھر سراقہ نے تحریر دیجئے
فرمایا "لے کرامن کا فرمان[1] جایئے"

ہجرت کی آخری منزل

جب پوری سولہ منزلیں طے کر چکے حضورؐ
اور رہ گیا مدینہ کوئی تین میل دور
انصار بولے روئے پیمبرؐ کو دیکھ کر
"بدر الدجیٰ نے ارض قبا پر کیا ظہور"
کہتے تھے لوگ غنچہ امید کھل گیا
جس کی تلاش تھی وہ گہر ہم کو مل گیا
عمرو بن عوف کا تھا ہر اک فرد شادماں
نعروں سے جن کے چرخ گراں گوش ہل گیا

---

[1] یہ تحریر حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ٹکڑے پر لکھ کر دی تھی

اہلِ قبا تھے سب ہمہ تن چشم انتظار
نکلے وہ پیشوائی کو باندھے ہوئے قطار
کوچوں میں کہتے پھرتے تھے اطفال خورد سال
لوگو چلو کہ آتے ہیں محبوب کردگار

وہ ذات پاک جس کا خدا پاسباں بنے
جس کے قدم سے، دشتِ عرب گلستاں بنے
کلثومؓ ہی کے طالع میں لکھا تھا یہ شرف
اس میزبان دھر کے وہ میزباں بنے

معبد نہ تھا کوئی کہ قبا کو ہو جس پہ ناز
جا کر جہاں جھکائیں مسلماں سرِ نیاز
رکھ رکھ کے اپنے دست مبارک سے سنگ و خشت
مسجد بنائی اور پڑھی آپ نے نماز

آگے بڑھے قُبا سے جو سرکارِ ذوالمنن
کوچوں سے بہر دید نکل آئے مرد و زن
گاتی تھیں نغمہ یہ بنی سالم کی عورتیں
"سوئے مدینہ ماہ کی چمکی نئی کرن"

ہر شخص کہہ رہا تھا کہ اے شاہ ذوالجلال
حاضر ہیں آپ کے لئے فرزند و جان و مال
ان کو دعائیں دیتے تھے حضرت جواب میں
لب پر کبھی نہ آتا تھا لیکن کوئی سوال

یثرب کا ہر بشر ہوا جاتا تھا فرشِ راہ
حضرت کی جب پڑی ابوایوب رضؓ پر نگاہ
کی التماس انھوں نے کہ اے فخرِ دو جہاں
موجود ہے قیام کو خادم کی خوابگاہ

اُن کے مکان پر ہی کیا آپ نے قیام
مکّہ سے آچکے تھے مہاجر بھی اب تمام
ان کو بھی اپنے دامنِ رحمت میں لے لیا
ہونے لگے ہر ایک کی راحت کے انتظام

جو گل وطن کے جور سے بے خانماں بنا
یثرب میں آکے غیرتِ صد گلستاں بنا
آشفتہ خاطری میں بھی اک خاص راز تھا
یعنی شمیم اڑی تو معطر جہاں بنا

محصورین شعب ابوطالب

مستقل تین برس شعب ابو طالب میں
رہے بے آب و غذا سب بنو ہاشم محصور
اہلِ مکہ نے یہ طے کرلیا تھا آپس میں
لین دین ان سے کیا جائے نہ حتی المقدور
کھانے پینے کی کوئی شے جو نہ پہنچی ان تک
پھر ہمارا ہی کہا مانیں گے ہو کر مجبور
طلح کی پتیاں کھا کھا کے گذر کرتے تھے
نان گندم تو کجا کھانے کو جَو تھے نہ کھجور
تھے خدیجہؓ کے بھتیجے جو حکیم ابنِ جزام
پھوپھی کے ہجر میں رہتے تھے وہ ہر دم رنجور
ایک دن پھوپھی کو گیہوں کا تحفہ بھیجا
یہ سمجھ کر کہ اسے لیکے وہ ہوں گی مسرور
راہ میں دیکھا ابوجہل نے اور روک لیا
بادۂ کفر سے رہتا تھا یہ ظالم مخمور

لیکن اتنے میں ابوالبختری بھی آ پہنچا
یہ وہ کافر تھا جو تھا صاحب اخلاق وشعور
اس نے جانے دیا وہ تحفہ خدیجہؓ کی طرف
اور ابوجہل نہ کچھ کر سکا ہو کر مجبور
ماجرا ایسا مگر روز کہاں ہوتا تھا
گرسنہ رہتے تھے ہفتوں چہ اُناث و چہ ذکور
بھوک سے ہوتے تھے بیتاب تو رو دیتے تھے
بچوں کی گریہ وزاری سے فضا تھی معمور
ماؤں سے دیکھی نہ جاتی تھی یہ ان کی تکلیف
باپ کچھ کر ہی نہ سکتے تھے کہ خود تھے معذور
کاٹنا دن کا اسیروں کو کچھ آسان نہ تھا
ان کو دنیا ہی میں آتا تھا نظر یوم نشور
ان اسیروں ہی میں شامل شہ لولاک بھی تھے
اس مصیبت میں بھی رہتے تھے جو دم مسرور

سیرتِ صحابہؓ

حضرت ابوبکرؓ کا جذبۂ اسلام

جب ابوبکرؓ ہوئے داخل دینِ اسلام
پہلے خطبہ میں دیا آپ نے درس توحید
لوگ کہنے لگے یہ شخص بھی گمراہ ہوا
ہم تو سمجھے تھے قبیلے میں اسے مردِ سعید
ہم ابوبکرؓ کو اب زندہ نہ چھوڑیں گے کبھی
کہ اٹھائی ہے نئے دین کی اس نے تمہید

سرزنش اس کی اسی وقت جو کافی نہ ہوئی
ہے یہ اندیشہ کریں اور نہ اس کی تقلید

بس یہ کہتا تھا کہ کفار عرب ٹوٹ پڑے
آپ کے جسم مبارک پہ لگے زخم شدید

آنکھیں پتھرا گئیں، قائم نہ رہے ہوش و حواس
لوگ یہ سمجھے کہ بچنے کی نہیں کوئی اُمید

باندھ کر چادر بوسیدہ میں گھر لے آئے
حالت نزع تھی گھر والے تھے سب طالب دید

شام کے وقت افاقہ ہوا آنکھیں کھولیں
ہوش میں آیا یہ کچھ تیغ شقاوت کا شہید

یہی کہتا تھا سناؤ مجھے کچھ حال رسولؐ
بس اعزّا و اقارب کو یہی تھی تاکید

جب یہ دیکھا کہ یہ اس درجہ ہے شیدائے رسول
چھوڑ دی اس سے عزیزوں نے بھی پھر گفت و شنید

آستانے پہ محمدؐ کے اُسے ڈال دیا
مل گئی اس کو جہاں قفل تمنا کی کلید

جب سنا احمد مرسلؐ نے ابوبکرؓ کا حال
آپ اسی وقت سے کرنے لگے فکر تفضید

آبدیدہ ہوئے، بوسہ لیا پیشانی کا
اور فرمایا "مبارک بجھے جنت کی نوید"

حضرت فاروقؓ کا جذبۂ رحم

کچھ ایسی عورتیں بھی مدینہ میں تھیں مقیم
جن کے عزیز و اقربا رہتے سفر میں تھے

ان میں سے بعض عورتیں ایسی تھیں خستہ حال
پیسے بھی کھانے پینے کو جن کے نہ گھر میں تھے

خود ان کے کھانے پینے کا کرتے تھے انتظام
اوصاف یہ خلیفۂ ثانی عمرؓ میں تھے

خود جا کے پوچھتے تھے وہ ان عورتوں کا حال
جن غمزدوں کے اشک رواں چشم تر میں تھے

رہتا تھا ان یتیموں کی ماؤں کا بھی خیال
جن کے خراب و خستہ مکاں رہ گذر میں تھے

لاتے تھے ان کا سودا سلف جا کے صبح و شام
اس طرح کے تمام گھران کی نظر میں تھے

حضرت عمرؓ کی بیت المقدّس کو روانگی

فکر سفر ہوئی عمر ابن الخطاب کو
کر کے سلام قبرِ رسالت مآبؐ کو
قائم مقام اپنا کیا بوترابؓ کو
کہئے صد آفریں نظرِ انتخاب کو

وقتِ وداع اہل مدینہ اداس تھے
عثمانؓ سے بردبار بھی تصویرِ یاس تھے

نفرت تھی جس کو ظاہری تمکین و شان سے
یہ شاہ مسلمیں تھا نرالا جہان سے
ستّو کا توشہ ساتھ لیا تھا مکان سے
نکلا تھا سوئے قدس وہ اس آن بان سے

گو فیض یاب اس سے ہزاروں وطن میں تھے
پیوند چودہ اس کے مگر پیرہن میں تھے

جس کی نظر میں تاج و زر و مال تھے حقیر
نزدیک قدس پہنچا جو مسلم کا یہ امیر
تھے جن کے تن پہ جامۂ دیباج دل پذیر
دیکھے جب اس نے چند مسلماں جوان و پیر

ملبوس ان کے اس نے وہ سب چاک کر دیئے
چہروں پہ خاک ڈال دی، دل پاک کر دیئے

جب ارضِ قدس میں ہوا فاروقؓ کا گزر ‏ ‏ ان پر پڑی جو عسکرِ اسلام کی نظر
کی افسروں نے عرض کہ اے شاہ بحر و بر ‏ ‏ یہ اونٹ آپ چھوڑ دیں اور بیٹھیں اسپ پر
پیوند پیرہن میں ہیں اس کو اُتار دیں
جامے وہ پہنیں آپ جو تن پر بہار دیں

اس امر پر مصر ہوئے جب افسرانِ جنگ ‏ ‏ حاضر کیا سواری کو برذون سبز رنگ
پہنا لباس مصر تو دل میں اٹھی اُمنگ ‏ ‏ بیٹھے جو اسپ پر تو وہ بھرنے لگا ترنگ
بولے مجھے یہ موجبِ کبر و غرور ہیں
یہ نخوتیں تو شانِ مسلماں سے دور ہیں

برذون سے اتر کے اُتارے وہ سب لباس ‏ ‏ پہنی وہی قبائے کہن تھی جو ان کے پاس
اپنے شتر پہ بیٹھ گئے پھر وہ بے ہراس ‏ ‏ یہ دیکھ کر تمام مسلماں ہوئے اداس
لیکن وہ جانتے تھے کہ فاروقؓ خوش خصال
ہے فقر میں محمدؐ ذی جاہ کی مثال

یاں وہ بلالؓ آیا تھا اطرافِ شام سے ‏ ‏ جو منسلک تھا درگہِ خیر الانامؐ سے
آقا بنا ہمارا جو ادنیٰ غلام سے ‏ ‏ زندہ ہے روحِ عشق ابھی جس کے نام سے
لوگوں کی آرزو تھی پھر اس کی اذاں سنیں
گر ہو سکے تو آج سنیں اور یہاں سنیں

بولے عمرؓ کہ طوطیِ شیریں بیاں بلالؓ — گلزارِ احمدی کے گلِ بے خزاں بلالؓ
اے بحرِ عشق کے گہرِ ضو فشاں بلالؓ — یہ سب کی آرزو ہے کہ تم دو اذاں بلالؓ
کچھ بارِ غم تو ہلکا ہو طبعِ ملول کا
پھر جائے نقشہ آنکھوں میں دورِ رسولؐ کا

دے کر اذان سب کو رلایا بلالؓ نے — مسجد میں ایک حشر اٹھایا بلالؓ نے
اصحاب کے دلوں کو ہلایا بلالؓ نے — دورِ رسولؐ یاد دلایا بلالؓ نے
کہنے نہ پائے اشہد ان لا الٰہ کو
یارا رہا نہ ضبط کا مسلم سپاہ کو

محصورِ اہلِ قدس بظاہر تھے صلح جو — بطریق چاہتا تھا عمرؓ آئیں رُوبرو
دیکھے وہ دیں کی روشنی میں چہرہ نکو — پہونچے اسی لباس میں وہ بہرِ گفتگو
قبضے میں ان کے تیغ، نہ ترکش میں تیر تھا
یہ اِس طرف تھے اور وہاں جمِ غفیر تھا

بطریق نے جوان پہ نظر کی تو ڈر گیا — واللہ ان کا تیرِ نظر کام کر گیا
سوچا کہ کوئی عذر کیا اب تو سر گیا — سر خم کریں کہ پانی ہے سر سے گزر گیا
ہم زورِ ایزدی کا مداوا ہی کیا کریں
بہتر یہی ہے قلعۂ محصور وا کریں

جزیہ کی شرط طے ہوئی سب کو اماں ملی
عیسائیوں کی پوری ہوئی خواہش دلی

فاروق ذی وقار کے دل کی کلی کھلی
نعرہ لگایا آپ نے جس سے زمیں ہلی

سجدہ کیا جو مسجدِ اقصیٰ کے فرش پر
آواز پہونچی "ربی العلیٰ" کی عرش پر

عہدِ فاروقی کا ایک واقعہ

(وظیفۃ الاطفال)

ایک قافلہ مدینے کے باہر تھا خیمہ زن
اور دشت بے پناہ میں پھیلا ہوا تھا مال

بے یار و غمگسار تھے اس کارواں کے لوگ
لٹ جانے کا تھا ان کے سرِ راہ احتمال

جب حضرت عمرؓ کو ملی اس کی اطلاع
کرنے گئے وہ قافلہ کی آپ دیکھ بھال

گو اہل قافلہ کو وہ پہچانتے نہ تھے
ہر دم تھا ان کی راحت و آرام کا خیال

اس پاسباں نے آکے یہ دیکھا کہ اک طرف
روتا ہے بار بار کوئی طفلِ خورد سال

ظاہر ہوئے نگاہ سے آثار انتشار
آوازِ گریہ سن کے طبیعت ہوئی نڈھال

پروانہ وار گھومتا پھرتا تھا ہر طرف
اور شمعِ مدعا کا چمکتا نہ تھا جمال

دیکھا کہ ماں کی گود میں ہے طفلِ شیر خوار
کرتا ہے چشم یاس سے جو دودھ کا سوال

بیرحم ماں مگر اسے دیتی نہیں ہے دودھ
بچے کا روتے روتے بُرا ہو گیا ہے حال

یہ اس سے جا کے حضرت فاروق نے کہا
یہ ظلم ناروا ہے کہ بچہ ہے خوردسال

اس بے زباں کو بھوک سے تڑپا رہی ہے تو
سوچا نہیں ہے غالباً اس جور کا مآل

کیا تو یہ چاہتی ہے یہ مل جائے خاک میں
زینت ترے چمن کی ہے ناداں یہ نونہال

یہ گفتگو وہ پہلے تو سنتی رہی مگر
عورت تھی آخر آ ہی گیا اس کو اشتعال

بولی کہ مجھ سے پوچھ جو تجھ کو خبر نہ ہو
یہ شیر خوار بچے ہیں ماں کے لئے وبال

یہ حکم دے دیا ہے خلیفہ نے ان دنوں
ہو طفل کا وظیفہ نہ اس وقت تک بحال

جبتک کہ ماں کے دودھ سے ہو اس کی پرورش
ہو نے دو والدین ہوں گر اس کے خستہ حال

بہر وظیفہ دودھ چھڑاتی ہوں کیا کروں
اس بے زباں کا مجھ سے نہیں کم مجھے خیال

عورت کو کیا خبر وہ خلیفہ یہی تو ہے
اس گفتگو کو سن کے جو ہے غرقِ انفعال

جو سوچتا ہے ہوں گے بہت ایسے شیر خوار
جن کا مری سبب سے ہوا ہوگا انتقال

آتے ہی اپنے حکم کو منسوخ کر دیا
پھر بھی عمرؓ کو اس کا رہا مدتوں ملال

عدلِ فاروقی رضؓ

تھے ابو شحمہ بھی فاروق رضؓ کے فرزندوں میں
جو حقیقت میں تھے اِک پیکرِ الطاف وجمال
لیکن انسان تھے ہو ہی گئی اِک اُن سے خطا
اور پھر پیشِ پدر کرلیا اس کا اقبال
پڑگئی حضرتِ فاروق کے ماتھے پہ شکن
اور ٹپکنے لگا آنکھوں سے عجب رعب و جلال
کھینچکر لائے عدالت کی طرف لڑکے کو
اور پھر حکم دیا "جسم سے پوشاک نکال"
جسم سے اپنے اُتارا ابو شحمہ نے لباس
اور کھڑے ہو گئے شرمندہ وہ مُجرم کی مثال
دیکھنے والوں کو بھی دیکھ کے رحم آتا تھا
وہ سمجھتے تھے کہ ہے ان کا رہا ہونا محال
بعد ازاں حضرتِ فاروق رضؓ نے افلح سے کہا
اُسکے سنو دُرّے لگا، سامنے آ، دُرّہ سنبھال

"پُوری طاقت سے مگر دُرّے لگائے جائیں"
"یہ مرا بیٹا ہے، بھُولے سے نہ آئے یہ خیال"
دُرّوں کی ضرب سے بیٹے کی کمر گھائل تھی
باپ کے چہرے سے بھی ہوتا تھا اظہارِ ملال
لیکن اُس لب سے یہ تاکید تھی "اضرب، اضرب"
اور کھڑے تھے وہاں شمشیرِ برہنہ کی مثال
دُرّے تعداد میں ستّر ہی لگے ہونگے ابھی
کہ ابوشحمہ لگے تشنگی سے ہونے نڈھال
پانی مانگا تو کہا باپ نے اے جانِ پدر
حوضِ کوثر پہ پہنچ جاؤ تو کرنا یہ سوال
ضربِ دُرّوں کی دم توڑ رہا تھا بیٹا
دیکھنے والوں کو حد درجہ تھا اندوہ و ملال
التجا رحم کی کیونکر کوئی کرسکتا تھا
لب ہلانا بھی تو لوگوں کو تھا اسوقت محال
اسّی دُرّے تنِ نازک پہ لگے تھے اب تک
کہ ہوا دیکھتے ہی دیکھتے بیٹے کا وصال

بس جو رہ گئے تھے قبر پہ لگوائے گئے

کہ پہنچ جائے سزا جُرم کی تا حدِّ کمال

اُسکے مرقد پہ عمرؓ رو کے دعا کرتے تھے

"اے خداوند تو رحمت میں ہو آپ اپنی مثال"

بخش دے فضل سے اپنے ابو شحمہؓ کی خطا

مل چکا اپنے کیے کا اُسے دُنیا میں مآل

عدل کے قصّوں سے تاریخِ جہاں ہے معمور

عدلِ فاروقؓ کی ڈھونڈو تو کوئی اسمیں مثال

حضرت عثمانؓ کی شہادت

بلوائیانِ مصر کی جُرأت تو دیکھئے
گُھس آئے آستانِ خلافت میں نابکار
خنجر بکف تھے، خانۂ عثمانؓ کا یک بیک
ان جملہ کینہ پروروں نے کرلیا حصار
دولتکدے میں حضرتِ عثمانؓ تھے جلوہ گر
دن رات ہو رہے تھے مصائب کا جو شکار
کھانا مکاں میں آپ کے پہنچانا در کنار
پانی بھی جانے دیتے نہ تھے یہ ستم شعار
چالیس روز تک یہ مصیبت سہی مگر
آنکھیں تھیں اشکبار نہ دل ہی تھا بیقرار
تھے پانسو غلام جو قبضے میں آپ کے
کی التجا اُنھوں نے کہ "آقائے نامدار"
"گر حکم ہو تو ہم کریں ان باغیوں کو قتل"
"دکھلائیں آج جوہرِ شمشیر آبدار"

فرمایا آپ نے کہ یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟
"نادان ہو، نہیں ہے یہ اسلام کا شعار"
یہ چاہتے ہو دوں تمہیں خونریزیوں کا حکم!
"دل مسلموں کا نوکِ سناں سے کروں فگار"
"لو میں نے تم کو آج سے آزاد کر دیا"
"اب جاؤ میرے پاس سے ٹھیرو نہ زینہار"

جب حضرتِ علیؓ کو بھی پہنچی یہ اطلاع
گھیرے ہیں گھر کو آپ کے باغی کئی ہزار
تشریف لائے وہ درِ دولت پہ آپ کے
فرمایا "اے محمدؐ برحق کے جاں نثار"
"گر حکم ہو تو میں کروں ان سے مقابلہ
"شیر خدا ہوں قبضہ میں رکھتا ہوں ذوالفقار"
فرمایا اُن سے حضرتِ عثمانؓ نے "ای علیؓ
"اک قطرہ خون کا بھی بہانا ہے ناگوار"
مجبور ہو کے شیرِ خدا بھی چلے گئے

لیکن یہ حال دیکھ کے تھا دل کو انتشار
فرمایا آپ نے یہ حسنؓ سے کہ "نورِ چشم
تم جاؤ سوئے خانۂ عثمانِ ذی وقار"
"دیکھو غنیم گھسنے نہ پائے مکان میں"
"کر دینا ایسے وقت میں جاں تک بھی تم نثار"
لختِ جگر علیؓ کا نواسہ رسولؐ کا!
بے خوف بن گیا درِ عثمانؓ کا چوبدار
یہ ہستیٔ مقدس و ذی شاں تھی جب وہاں
اُس در کی سمت آتے یہ کس طرح نابکار
آخر کسی طرف سے گھُس آئے مکان میں
قرآن پاک پڑھتے تھے عثمانِؓ بُردبار
ان ظالموں نے پہلے تو تیر و تبر چلائے
پھر ہر طرف سے کرنے لگے خنجروں کے وار
القصّہ ہو گئے یہ اسی حال میں شہید
کھینچی نہ پھر بھی میان سے شمشیر آبدار

جنگ اُحد کا ایک واقعہ

جب ہوئے جنگ اُحد میں شہ والا مجروح
دیکھ کر دشمنِ دیں آپ کو خوش ہوتے تھے

مچ گیا کہرام مدینہ میں جو پہنچی یہ خبر
جان رو رو کے غلامانِ نبی کھوتے تھے

مضطرب ہو کے چلیں فاطمہ رضؓ بھی سوئے اُحد
باپ کو دیکھا کہ بے ہوش پڑے سوتے تھے

اپنے مشکیزے میں یہ آبِ خنک لاتی تھیں
زخم چہرے کے علیؓ شیر خدا دھوتے تھے

ہوش آیا۔ شہ والا نے اُٹھائی جو نظر
فاطمہ رضؓ اور علیؓ دونوں کھڑے روتے تھے

ملت اسلام کا محسن اعظم

وہ حسنؓ ابن علیؓ فاطمہؓ کا نور العین
وہ حسن ابن علیؓ دوش رسالت کا سوار

وہ حسن ابن علی گلشن اسلام کا پھول
وہ حسن ابن علی باغ رسالت کی بہار

حامل دولت اخلاق و شہنشاہ جمال
معدن نور نبوت کا وہ دُرِّ شہوار

صاحب تخت توکل شہ اقلیمِ امن
محسن ملّت و فردوس بریں کا سردار

پیکر لطف و عطا، مہر مجسم، خوش خو
زاہد پاک نفس، عابد شب زندہ دار

مشعل راہ صفا، منبع اسرار و نکات
گلشن علم کا وہ بلبل شیریں گفتار

بردباری و تحمل میں وہ آپ اپنی نظیر
ہمت و عزم میں وہ فرد مثالِ کہسار

اُسکی سیرت میں نہاں خلق رسالت کی صفات
اس کی صورت سے عیاں عکس رسول مختار

اس نے امت کو نہ قربان خلافت پہ کیا
کر دیا اپنی خلافت ہی کو امت پہ نثار

واقعہ کربلا پر اخلاقی نظر

حسینؓ ابن علیؓ کے نام سے تاریخ جرأت کی
ابھی تک آبِ زر سے جس طرح لکھتے ہیں پیشانی

اسی صورت سے ان کا پرتو اخلاق اعلیٰ بھی
چراغ راہ بن بن کر دکھاتا ہے درخشانی

انھوں نے دہر میں قیمت صداقت کی بتائی ہے
بڑھایا ہے انھوں نے وقر استقلال انسانی

جہاں کی بے ثباتی کی کہیں تصویر کھینچی ہے
کہیں باطل پرستوں کی دکھائی ہے ستم رانی

کہیں آزادیٔ فطرت کے پرچم کو اُڑایا ہے
کہیں رکھی نئی بنیاد ایوان جہاں بانی

صفائے تیغ ملت کا کہیں جلوہ دکھایا ہے
کہیں بے پردہ کی ہیں کچھ تجلّیاتِ روحانی

کہیں شمشیر دیں کی آپ نے بزّش دکھائی ہے
کہیں ہر کاوش تدبیر پر پھیرا ہے خود پانی

اگر منظور ہوتا واقعی جنگ آزما ہونا
تو کیا لشکر فراہم ہو نہ سکتا تھا بآسانی

شکست و فتح تو وہ جانتے تھے اتفاقی ہیں
مگر منظور تھی اعدا کی ان کو خانہ ویرانی

وہ سمجھے اس کا مرگ بیکسی میں راز پنہاں ہے
کہ ہو جاتے ہیں اس سے مشتعل جذبات انسانی

ہزاروں جاں فروشی کو ہوئے بھی گرچہ آمادہ
مگر حضرت نے فرمایا کہ یہ ہے عین نادانی

وہ لیکر چند معصوموں کو پہنچے دشت غربت میں
گلستانِ جہاں میں رنگ لائی جن کی قربانی

یہی غازہ تو حریت کے گلشن میں چمکتا ہے
انھیں قطروں سے خوں کے موج زن ہی جوئے ایمانی

اُسی دن سے کھُلے سربستہ عقدے حق و باطل کے
اسی دن سے جہاں نے بیکسی کی قدر پہچانی

اُسی دن سے ہوا وابستہ پھر شیرازۂ ملّت
اُسی دن سے ہوا پھر پیکرِ اسلام نورانی

تم اے بزدل جوانو! اپنی محکومی پہ روتے ہو
زرا تاریخ ملت کی کرو اوراق گردانی

حضرت مصعب ابن عمیرؓ

اہل مکہ جنھیں ارباب حشم کہتے تھے
ان میں تھے ابن عمیرؓ ایک امیر ابن امیر
نازپروردہ تھے اور ان کے تنِ نازک پر
رہا کرتے تھے کبھی جامۂ زربفت وحریر
دین اسلام سے جس وقت یہ وابستہ ہوئے
رہے کچھ دن تو عزیزوں ہی کے ہاتھوں میں اسیر
والدہ مشرکہ تھیں، درپئے آزار ہوئیں
گھر سے بے گھر ہوئے اور چشم احبا میں حقیر
جو اقارب تھے عقارب سے سوا دشمن تھے
عمر بھر عُسرت وافلاس رہے دامن گیر
رہِ اسلام سے پھر بھی نہ قدم ان کے ہٹے
وہ دلیری ہی سے سہتے رہے ہر اک تعزیر

کشورِ فقر نے وہ دولت عرفاں بخشی
جس کی ملتی نہیں گنجینۂ عالم میں نظیر
دین داروں میں انھیں عزو شرف حاصل تھا
کہ نگاہ نبوی میں بھی تھی ان کی توقیر
غزوہ بدر و احد میں تھا علم ان کے پاس
کیونکہ خودداری و جرأت کا تھا گھُٹّی میں خمیر
معرکہ گرم تھا جب جنگ اُحد کا تو انھیں
صف اعدا میں سے اک دور سے تکتا تھا شریر
چاہتا تھا علم اسلام کا خم ہو جائے
اس لئے آ کے معاً ہاتھ پہ ماری شمشیر
ہاتھ گو کٹ گیا، لیکن انھیں پروا بھی نہ تھی
خون جاری تھا مگر لب پہ تھی جاری تکبیر
دست چپ میں تھا علم ان کے اسی شان کے ساتھ
پھر وہ کافر بڑھا شمشیر بکف صورتِ تیر
دوسرا ہاتھ بھی جاتا رہا تب بازوؤں سے
علمِ جنگ پکڑنے کی نکالی تدبیر

دیکھ کر مصعب جانباز کی اس ہمت کو
سب تھے انگشت بدنداں چہ صغیر و چہ کبیر

جب کسی طرح علم ان کا گرایا نہ گیا
آخر اس دشمن ایماں نے چلایا اک تیر

جھٹ ابو الروم وغیرہ نے علم تھام لیا
جب گرا خاک پہ یہ ملک شجاعت کا امیر

لاش سے ان کی مخاطب ہوئے یوں فخر رُسل
کہ شہیدوں میں اٹھائے گا تمھیں ربِّ قدیر

اور لوگوں سے یہ فرمایا "کرو ان کو سلام"
"جس کے سننے میں یہ ہرگز نہ کریں گے تاخیر"

"سب زیارت کرو ان کی کہ یہ اس قابل ہیں"
ارد گرد ان کے ہوا جمع پھر اک جم غفیر

بہر تکفین ملی ان کو اک ایسی چادر
جسم پورا نہ چھپا گرچہ بہت کی تدبیر

یہ تھے وہ سچے مسلمان، وہ سرتاج اُمم
جن کی رگ رگ میں شجاعت تھی، زباں میں تاثیر

ہاتھ کٹوا دیئے، جاں دیدی علم کی خاطر
دین کی کم سے کم اتنی تو ہو دل میں توقیر
اپنے ایمان کی حالت پہ بھی اب غور کرو
تم کو شرمندہ نظر آئے گا خود اپنا ضمیر

اصحاب صُفّہ

جانثاران محمدؐ میں تھے کچھ پاک نفوس
اہل صفّہ جنھیں کہتے تھے مدینے کے عوام
ان میں تھا شمع رسالت کا ہر اک پروانہ
ان میں سرکار مدینہ کا تھا ہر ایک غلام
روئے احمدؐ کی ضیا دیکھ نہ لیتے جب تک
کھانا پینا تو کجا ان کو تھا سونا بھی حرام
بادۂ عشق سے سرشار تھے، اور حال یہ تھا
کہ میسر نہیں آتا تھا کئی وقت طعام
لکڑیاں کاٹ کے یہ اپنی گزر کرتے تھے
صحن مسجد ہی کے اک گوشے میں کرتے تھے قیام

اپنے ہمراہ حضور ان کو بھی لے جاتے تھے
کبھی دعوت کا کہیں سے اگر آتا تھا پیام
ان کی تکلیف کا احساس رہا کرتا تھا
چاہتے تھے کہ کسی طرح سے پہنچے آرام
ایک دن فاطمہ رض زہرا نے کہا والد سے
رات دن کرتی ہوں میں کھانا پکانے کا کام
اُس پہ یہ طرہ کہ چکی کی مشقت بھی ہے
دیکھئے چھل گئے ہیں اب تو مرے ہاتھ تمام
ابکے کچھ مال غنیمت میں کنیزیں بھی ہیں
ایک مل جائے مجھے تو مرا چل جائے کام
آپ نے اُن سے یہ فرمایا کہ اے جانِ پدر
اہل صفہ بھی ہیں کلفت میں گرفتار تمام
ان کو بھی کھانا پکانے کی ہے از حد تکلیف
تیری راحت سے ہے بڑھ کر مجھے ان کا آرام

اکابرینِ ملّت

صلاح الدّین ایوبیؒ

ترے کردار زندہ ہیں ابھی اے مایۂ خوبی
ترا ہر وصف یکتا ہے صلاح الدین ایوّبیؒ
وہ فتنہ کیا زمیں بیت المقدس کی بھلا دے گی؟
وہ خونِ مسلم بیکس کو دامن سے چھٹا دے گی؟
تعصب تھا، عداوت تھی، نئی طرزِ جفا تھی وہ
صلیبی جنگ تھی، کد تھی، خدا ہی جانے کیا تھی وہ

ہراک عیسائی آمادہ تھا مسلم کے مٹانے کو
مسیحی بادشاہ آئے تھے قوت آزمانے کو

ہزاروں پادری ادنیٰ سپاہی بن کے آتے تھے
جو اپنے ظلم سے ہردم نئے فتنے اُٹھاتے تھے

ادھر یورپ کا یورپ تھا ادھر بس تو اکیلا تھا
مگر طفلی ہی سے رنج والم کو تو نے جھیلا تھا

تری شمشیر میں توحید کے جوہر چمکتے تھے
جبیں پر نقش سجدہ بھی سپر بن کر چمکتے تھے

اجل تھی دشمنوں کے واسطے بجلی تھی آفت تھی
تری تکبیر بھی اللہ اکبر کیا قیامت تھی

صف کفار کا شیرازہ برہم کر دیا تو نے
جدھر پہنچا سر تثلیث کو خم کر دیا تو نے

تری سیرت میں خودداری بھی تھی شان وفا بھی تھی
تحمل بھی، رواداری بھی، جرأت بھی عطا بھی تھی

تمدن کا سبق یورپ کو تو نے ہی پڑھایا ہے
یہ انداز جہاں بانی بھی تو نے ہی سکھایا ہے

ترقی کی نئی راہیں بھی تو نے ہی سجھائی ہیں
انھیں شائستگی کی زندہ تصویریں دکھائی ہیں

یہ وحشی قوم تھی اس کو مہذب کر دیا تو نے
دُرِ علم و ہنر سے اس کا سینہ بھر دیا تو نے

یقیں ہے اہل یورپ تیرا احساں یاد رکھینگے
جہاں اعلیٰ تمدن کی نئی بنیاد رکھینگے

حضرت خالد بن ولیدؓ

دلیر و زیرک و جانباز خالد ابن ولیدؓ
رگوں میں دوڑتا تھا جس کی خوں شرر کی طرح

وہ مرد سیف چمکتی تھی جس کی جنگ میں تیغ
شرر کی طرح کبھی پرتوِ قمر کی طرح

وہ شیر مرد کہ انساں تو کیا بوقتِ جہاد
اڑا دے کوہ گراں بار کو بھی پر کی طرح

وہ دیں پرست کہ کھینچی نہ تیغ جس نے کبھی
حریص و طامع و خونخوار و کینہ ور کی طرح

وہ دیں پناہ کہ منصب تھا ہیچ جس کے لئے
سپاہی بن کے بھی لڑتا رہا ببر کی طرح

وہ تاجدار اولوالعزم جس کے سینے پر
نشانِ زخم چمکتے تھے سیم و زر کی طرح

ہوا علیل تو کہتا تھا "بس یہ حسرت ہے"
شہید کیوں نہ ہوا حارث و عمرؓ کی طرح؟

ملے نہ جام شہادت اگر مسلماں کو
تو باغ دہر میں ہے نخل بے ثمر کی طرح

محمد بن قاسم فاتح سندھ

مرحبا اے قاسم جانباز اے شمشیر حق
آیا اس ظلمت کدے میں بن کے تو تنویر حق

سندھ کے ہر ذرّے سے روشن ترا افسانہ ہے
تیرے دم سے غیرت فردوس یہ ویرانہ ہے

بادہ توحید سے پُر تیرے دل کا جام تھا
تیرا ساقی مصطفےٰؐ تھا میکدہ اسلام تھا

تیرے آگے گردنیں خم ہو گئیں اصنام کی
بن گئی برقِ قضا جنبش تری صمصام کی

تیرے عزمِ رزم میں کہسار تک حائل نہ تھے
دیدۂ خوددار حُسن و جاہ پر مائل نہ تھے

تیرے نقشِ پا میں پنہاں فتح کی تقویر تھی
کیونکہ قسمت کی مدد کو کاوش تدبیر تھی

ہے یہاں جو خاک تیرے عسکر جرار کی
یہ نئی دنیا بنے گی مسلم خوددار کی

مقبرۂ ہمایوں

نکہت رسیدہ غنچہ کے برگ جگر فگار
اک نازنیں کے جذبۂ الفت کی یادگار
ہندوستاں کے صدف دُرِّ آبدار

اے آسمان جاہ کے بے نور ماہتاب
اے شاہد جمال کے اُترے ہوئے شباب
عبرت سرائے دہر کی تصویر بے نقاب

تو نغمۂ خموش ہے نا آشنائے چنگ
وہ نقشِ گلستاں ہے جو ہو بے نیاز رنگ
وہ تیغ لاجواب ہو جس پر نقاب زنگ

وہ سنگ جس کے دل میں ہو پنہاں جمالِ طور
وہ قطرہ جس کے سینے کے اندر ہو بحرِ نور
وہ ذرّہ جس کے بطن سے ہو مہر کا ظہور

وہ دام جس میں طائرِ شیریں نوا ہو قید
فتراک جس میں کشتۂ تیرِ قضا ہو قید
یا وہ قفس کہ گوشہ میں جس کے ہما ہو قید

اے چشمِ مضطرب یہ تجھے کیا ہوا کہ تو
ہے آج اس مزار پہ سرگرمِ جستجو
کیوں اے لبِ خموش یہ کیسی ہے گفتگو؟

گنہگار مجاہد

ابو محجن جو شجاعانِ عرب میں تھے غیور
بادۂ ناب کا تھا ان کی رگ و پے میں خمیر

اور طبیعت میں بھرے تھے وہ سخن کے جوہر
کہ عرب کے شعرا میں تھے وہ آپ اپنی نظیر

ایک دن پڑھ رہے تھے شعر کچھ ایسے جن سے
بادۂ ناب کی ہوتی تھی بظاہر توقیر

حضرت سعدؓ نے جب ان کے یہ اشعار سُنے
ڈالدی پاؤں میں زنجیر انھیں کر کے اسیر

عین اسی وقت ہوا معرکۂ رزم بھی گرم
فوج اسلام کی میدان میں گونجی تکبیر

ابو محجن کی رگوں میں بھی تھا اسلام کا جوش
ان کے چہرے کی شکن تھی غم دل کی تفسیر

جذبۂ شوق شہادت سے تھے ایسے بیتاب
کاٹنا چاہتے تھے پاؤں کی بوجھل زنجیر

ان سے زنجیر کسی طرح وہ جب کٹ نہ سکی
شرکتِ جنگ کی آخر یہ نکالی تدبیر

زوجۂ سعدؓ سے بولے کہ مجھے کردو رہا
بچ کے آیا تو پہن لوں گا خود آکر زنجیر

کام آجاؤں تو پھر دفن کرا دینا مجھے
میں یہ سمجھوں گا کہ تھی خاکِ عجم دامن گیر

غلبہ کفر کا مجھ سے نہیں دیکھا جاتا
میں ادھر قید، حریفوں کا ادھر جم غفیر

جوش مذہب کا تقاضا ہے کہ اس معرکہ میں
کفر پر برق کی صورت گرے میری شمشیر

زوجۂ سعدؓ کو رحم آگیا ان باتوں پر
ان کے ہاتھوں سے رہا ہو گیا وہ مردِ اسیر

اپنے شوہر کا سواری کے لئے اسپ دیا
صفِ کفار کو جو چیرتا تھا بن کر تیر

حضرت سعدؓ نے دیکھا تو انھیں حیرت تھی ۔۔۔ سرِ اعدا پہ چمکتی ہے یہ کس کی شمشیر؟
کون جانباز مجاہد مرے گھوڑے پر ہے! ۔۔۔ عربستاں کے قبیلے کا ہے یہ کون امیر؟
سعدؓ سے قائدِ عسکر بھی نہ پہچان سکے ۔۔۔ ہے یہ کس شعلۂ جوّالہ کی زندہ تصویر
ابو محجن کا وہاں ان کو گماں تک بھی نہ تھا ۔۔۔ وہ تو ڈال آئے تھے خود پاؤں میں انکے زنجیر
خانۂ سعدؓ کی جانب ابو محجنؔ لوٹے ۔۔۔ خون اعدا میں ڈبوئے ہوئے آبِ شمشیر
پاؤں میں ڈال کے زنجیرِ گرانبار کو خود ۔۔۔ پھر اسی طرح سے وہ بیٹھ گئے بن کے اسیر
معرکہ ختم ہوا جانبِ خیمہ لوٹے ۔۔۔ حضرت سعدؓ جہاں گیر و جہاندار و امیر
حضرت سعدؓ سے سلمیٰ[1] نے ابو محجن کے ۔۔۔ جذبہ شوق شہادت کی بیاں کی تفسیر
اس گنہگار مجاہد کی سُنی جو روداد ۔۔۔ ہو کے خوش آپ نے پھر بخش دی اسکی تقصیر

ابو محجن کی یہ حالت تھی کہ اس روز کے بعد
ساغرِ مے کی طرف جھک نہ سکا ان کا ضمیر

---

[1] سلمیٰ زوجہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی تھا

مسلم خواتین کی جانبازی

(جنگ یرموک کا ایک واقعہ)

جانباز عورتیں جو عرب کی ہوئیں اسیر
کہنے لگیں کہ چشم عدو میں ہوئے حقیر
قبضے میں اپنے تیغ نہ فتراک ہے نہ تیر
کیا فائدہ جو ہم ہیں شجاعت میں بے نظیر
شمشیر آبدار ہو، تیر و تفنگ ہوں
گر پاس اسلحہ ہوں تو مصروف جنگ ہوں

خولہ جو اس گروہ میں تھی پیکرِ جمال
مردانگی میں فرد تہوّر میں بے مثال
ان یاس خیز فقروں سے اس کو ہوا ملال
بولی عفیرہ سے کہ یہ ہے پستی خیال
تم میں عرب کی شانِ شجاعت نہیں رہی
خودداری و جسارت و جرأت نہیں رہی

بطرس[1] سے بوالہوس کی جفائیں سہیں گے ہم!
کیا موم ہیں کہ پانی کی صورت بہیں گے ہم!
کیا مشرکوں کی لونڈیاں بن کر رہیں گے ہم!
اور پھر بھی اپنے آپ کو اشرف کہیں گے ہم!
ہونے دو خنجروں سے اگر سینے چاک ہوں
مرجائیں گر تو داغ غلامی سے پاک ہوں
گر اسلحہ نہیں ہیں تو کچھ اس کا غم نہیں
تیغ دو دم فضول جو ہاتھوں میں دم نہیں
مردانگی میں ہم بھی تو مردوں سے کم نہیں
یہ دشمنان دیں نہیں یا آج ہم نہیں
نکلو صفوں کو باندھ کے ڈنڈے سنبھال لو
ڈنڈے نہیں تو خیمے کی چوبیں نکال لو
یہ کہہ کے سب سے آگے بڑھی خولہؓ جاں فروش
منہ پر نقاب خیمے کی اک چوب زیب دوش

---

[1] رومی لشکر کے سردار کا نام

سب عورتوں کے دل میں تھا مردانگی کا جوش
رومی سپاہیوں کو نہ تھا اپنے تن کا ہوش
خیمے کی چوب جس پہ پڑی سر کچل گئی
وہ رن پڑا کہ فوج کی حالت بدل گئی

بطرس جو رومیوں کا تھا اک افسر سیاہ
اس بوالہوس کی خولہ کی جانب اٹھی نگاہ
خولہ نے غصہ ہو کے کہا دیکھ روسیاہ
دیکھا ادھر تو بیٹیوں گی تجھ کو خدا گواہ
احمق! حیا و شرم کا احساس بھی نہیں
تجھ کو شریف زادیوں کا پاس بھی نہیں

خولہ کے پیچھے پیچھے عفیرہ تھی چوب زن
خون عدو سے چوب میں تھا جلوۂ چمن
ہر عسکری کا زخموں سے گو چور تھا بدن
لب پر تھا پھر بھی عورتوں کے نعرہ "بزن"
روکا پیادوں نے جونہی چوبوں کے وار کو
گھوڑے کا پاؤں توڑا گرایا سوار کو

اس واقعہ کو سن کے وہاں آ گئے ضرار[1]
اپنی بہن کے غم میں جو بیحد تھے بے قرار
آئے ابو عبیدہ[2] بھی پھر بن کے غم گسار
ہمراہ ان کے فوج بھی آئی کئی ہزار
پھر کیا تھا دشمنوں کو تہ تیغ کر دیا
میدان کارزار کو کشتوں سے بھر دیا

امام غزالیؒ

اے غزالیؒ حجت الاسلام اماموں کے امام
جھک کے چرخ فلسفہ کرتا ہے تیرا احترام
اے کہ تیری ذات سے تقدیر چمکی طوس کی
شمع تاباں بن گیا وہ دہر کے فانوس کی
جلوۂ حق ضو فگن تھا سینۂ پُر نور میں
کوندتی تھیں بجلیاں جرجان و نیشاپور میں

---

[1] ضرار بنت الازور خولہ کے برادر عزیز [2] حضرت ابو عبیدہ بن جراح میر عسکر اسلام

اے غزالی! اے مہِ چرخِ ادب، شمس العلوم
چرخ تھا قرطاس تیرا اور نقطے تھے نجوم
تو نے آئینہ شریعت کا مجلّا کر دیا
صیقل عرفاں سے تابانی میں یکتا کر دیا
ذرّہ ذرّہ میں جہاں کے نورِ وحدت بھر دیا
قطرۂ حکمت کو لمعانی میں گوہر کر دیا
تو نے کچھ ایسی بڑھائی زینتِ دنیائے فقر
ہو گئے اہلِ دول بھی بیشتر شیدائے فقر
تیری توضیحات میں گلزارِ نُدرت کی بہار
تیری تصنیفات پر ہے حکمتِ یوناں نثار
تیری ناداری شہنشاہوں کی دولت کی حریف
تیری بیداری ہماری خوابِ راحت کی حریف
خلعتِ شاہانہ تیرے کہنہ خرقے پر نثار
اور تاجِ خسروی تیرے عمامے پر نثار
ہٹ گیا تو دنیوی لذات سے منہ موڑ کر
لے لیا کمبل فقیری کا امیری چھوڑ کر

تو ہی کچھ سمجھا اگر سمجھا مآلِ زندگی
یعنی ہے ترکِ مقاصد ہی کمالِ زندگی

مرقدِ عالمگیرؒ

یہ شرف کیا کچھ ترا کم ہے دکن کی سرزمیں
تو ہے عالمگیر کے جسمِ مبارک کی امیں
جو پلا تھا شوکت و اقبال کی آغوش میں
وہ ہے محوِ خواب تیرے گوشۂ آغوش میں

جس کے قلبِ مطمئن کو تھا عبودیت پہ ناز
روبروِ شیرنیستاں کے پڑھی جس نے نماز
تختِ سلطانی کو زینت دی ردائے فقر سے
رہنمائی کی رعایا کی عصائے فقر سے

جس کی سیرت میں جھلک تھی بانیِ اسلام کی
جس نے گنجائش نہ چھوڑی دین میں اوہام کی
گر نہ دیکھی ہو تو اب اے چشمِ عبرت دیکھ لے
خاک آلودہ یہاں مغلوں کی حشمت دیکھ لے

اہلِ رفعت جانتے ہیں مرتبہ اس خاک کا
خاکِ مرقد کب ہے یہ ٹکڑا ہے اک افلاک کا
مورچھل مژگاں سے اس مرقد پہ جھلتے ہیں ملک
اور پئے تعظیم اس سے جھک کے ملتا ہے فلک

شانِ عظمت آشکارا ہے در و دیوار سے
کر رہا ہے آسماں سرگوشیاں مینار سے
صحنِ مرقد پر جو کچھ اشجار ہیں سایہ فگن
کاش قدرت بخش دیتی ان کو یارائے سخن

ان کے مرجھائے ہوئے پتے ہی بن جاتے زباں
اور سناتے عہدِ رفتہ کی ہیں کچھ داستاں
یہ جو اس مرقد پہ ذرّے خاک میں تابندہ ہیں
دیکھ کر انجم بھی ان کو چرخ پر شرمندہ ہیں

تاجِ اسلامی کو بخشیں گے یہ اکدن آب و تاب
قصرِ سلطانی میں چمکیں گے یہ بن کر آفتاب

ٹیپو سلطانؒ

طاقتِ حق تھی اس کے جگر میں
اک ہیبت تھی اُس کی نظر میں
اس کا اثر تھا بحر و بر میں
وہ نہیں جھجکا خوف و خطر میں

شیرِ دکن تھا ٹیپو سلطان
شیرِ دکن تھا ٹیپو سلطان

کفر کے بادل چھائے ہوئے تھے
عیسائی منڈلائے ہوئے تھے
مرہٹے سر پر آئے ہوئے تھے
اور مسلم گھبرائے ہوئے تھے

تیر فگن تھا ٹیپو سلطان
تیر فگن تھا ٹیپو سلطان

مشرکوں میں تھیں کفر کی رسمیں
پھنس رہے تھے وہ دامِ ہوس میں

شرک کا خوں تھا اک اک نس میں
یعنی تھے وہ بتوں کے بس میں
کفر شکن تھا ٹیپو سُلطان
کفر شکن تھا ٹیپو سلطان

چشم عدو میں کانٹا تھا وہ
گرچہ جوان رعنا تھا وہ
فیاضی میں دریا تھا وہ
آزادی کا شیدا تھا وہ
رشک چمن تھا ٹیپو سلطان
رشک چمن تھا ٹیپو سلطان

اس کی شجاعت ماشاء اللہ
اس کی سیاست ماشاء اللہ
اس کی ذکاوت ماشاء اللہ
اس کی سخاوت ماشاء اللہ
فخر وطن تھا ٹیپو سلطان
فخر وطن تھا ٹیپو سلطان

رئیس الاحرار مولینا محمد علیؒ کی رہائی پر

خوشا وہ ذات حرّیت سے ہو نشو و نما جس کی
فلاحِ ملک و ملت زیست کا ہو مدعا جس کی

نہ آئے جس کی پیشانی پہ بل تیغ جفا سہہ کر
دلیل کامرانی ہو وطن کو ابتلا جس کی

حریم دل ہو جس کا مظہر انوارِ ربّانی
جہاں کیا گنبد خاور کو چمکا دے ضیا جس کی

شرار غم فروغ تازہ بخشیں جس کے خرمن کو
مثالِ شمع سوزاں ہو فنا ہی میں بقا جس کی

حوادث کا ہدف بنتا رہے قلب حزیں جس کا
پرستش کے لئے جھکتا رہے تیر بلا جس کی

کرے اس عالم جاں بخش کا ہر وقت نظّارہ
سیاست کے افق سے بھی ہو بالاتر فضا جس کی

کرے گل کاریاں باغ وطن میں چشم گریاں سے
وہ رنگ انس بھر دے خار تک میں کلک مژگاں سے

(۲)

رہائی سے تری احساس راحت کیوں نہو دل کو
تری سرگرمیاں گرمائیں گی اربابِ محفل کو

اخوت کے جواہر ترے داغ دل سے چمکینگے
کریگا محو تو لوحِ جہاں سے نقشِ باطل کو

تری شوکت سے جھک جائینگے سر گردن فرازوں کے
تری ہیبت مٹادیگی عدو کے زعمِ باطل کو

ترا اخلاق پھر پیدا کرے گا شانِ یکرنگی
ترے اشک محبت چھینٹے دینگے مردِ غافل کو

ترا پیغام ملّت کے لئے بانگ درا ہو گا
سجھائے گا نئے نقشِ قدم گم کردہ منزل کو

ترے ہاتھوں سے جو میخوار اک جام لیگا
یقیں ہے کیف مستی میں وہ دنیا کو ہلا دیگا

کابل میں جنرل نادر خاں کی آمد

مرحبا صد مرحبا اے نادرِ عالی وقار
آفریں صد آفریں اے شہ سوارِ کارزار

اس خزاں دیدہ چمن کی سمت اب آیا ہے تو
اپنے داماں میں گلِ امید بھر لایا ہے تو

لُٹ گیا کابل، جلال آباد ویراں ہو گیا
اک نہ ہونے سے ترے محشر کا ساماں ہو گیا

جنگ کے شعلے فروزاں ہیں ہر اک کہسار میں
اور امان اللہ خاں ہیں دامنِ قندھار میں

ہمت خالد ودیعت کی ہے یزداں نے تجھے
اور تاجِ افسری بخشا ہے دوراں نے تجھے

عقدے اکثر حل ہوئے اب تک تری تدبیر سے
لرزہ براندام ہے عالم تری شمشیر سے

سطوتِ مغرب کا تو نے ہی کیا تھا پردہ چاک
بن گئی تھی چرخِ حریت کبھی کابل کی خاک

اب جو منظر ہے وہ ہے سب سے زیادہ دل فگار
تیغ خوں آشام کے ہوتے ہیں معصوموں پہ وار

سلطنت ہے پارہ پارہ، ملک سب تاراج ہے
عالمِ اسلام کی اب تیرے ہاتھوں لاج ہے

رشتۂ الفت میں افغانوں کو تو پھر جوڑ دے
چشمِ حق بیں کو اٹھا، یہ سحرِ باطل توڑ دے

رئیس الاحرار کے نام

یہ تعزیت نامہ حضرت مولانا محمد علی مرحوم کو ان کی صاحبزادی حمیدہ بیگم مرحومہ

کے انتقال کے موقع پر ارسال کیا گیا تھا

مرے محسن، مرے مخدوم رئیس الاحرار
کیا ترے قلزم غم کا بھی کوئی ساحل ہے؟

رو رہا ہوں تری افتاد کا میں کر کے خیال
مگر اس گریۂ بے سود سے کیا حاصل ہے؟

تو مگر وہ تحمل ہے کہ جنباں ہی نہیں
کن عناصر سے مرکب ترا افسانی دل ہے؟

واہ! کیا بندۂ تسلیم ہے اللہ اللہ
حکمِ خالق پہ ہر اک حال میں تو عامل ہے

لذتِ درد سے ہنستا ہی رہا صورتِ گل
گرچہ دل تیرِ حوادث سے بہت گھائل ہے

اہل دل بھی تری ہمت سے سبق لیتے ہیں
ترا دشمن بھی صداقت کا تری قائل ہے

امتحاں گاہ محبت میں جو پورا اُترے
ہم سے پوچھو تو حقیقت میں وہی کامل ہے

چارو ناچار یہ غم بھی تجھے سہنا ہوگا
کہ تو ہی "زمرۂ احرار" میں اس قابل ہے

واقعہ یہ ہے کہ اس دار محن میں محمودؔ
"جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے"

نوحۂ رئیس الاحرار محمد علی مرحومؒ

چل بسا آہ زمانے سے رئیس الاحرار دفعتہً لٹ گئی اسلام کے گلشن کی بہار
مل گیا خاک میں سرمایہ اعزاز وقار ہوا تاراج وہ ایوان سیاست کا حصار

بزم گیتی پہ نظر آتی ہے صف ماتم کی
عرش کو آج ہلا دیں گی صدائیں غم کی

آہ! اس پایہ کا اب کوئی مقرر نہ رہا کوئی جذبات و تخیل کا مصور نہ رہا
آہ! تاریخ و ادب کا کوئی ماہر نہ رہا کوئی آئین حکومت کا مفسّر نہ رہا

اب وہ ساقی نظر آتا نہیں میخانے میں
کیوں نہ صہبا کی جگہ خون ہو پیمانے میں

اس کی تائید سے تحریک وطن تھی زندہ اس کی تردید سے تھے دشمن دیں شرمندہ
اس کی قسمت میں تھی شہرت بھی عجب پائندہ معدنِ ہند کا "جوہر" تھا وہی تابندہ

انقلاب آئیں گے، عالم نیا پیدا ہوگا
لیکن ایسا کوئی کب قوم کا شیدا ہوگا؟

اس خزاں دیدہ چمن کا تھا وہی اک مالی اسکی نظروں میں تھی اس باغ کی ڈالی ڈالی
اب کسی کا نہ وہ بوتا نہ دماغ عالی نہ طبیعت ستم و جور اٹھانے والی

وہ نرالا تھا، طبیعت تھی نرالی اس کی
بزمِ ملت میں رہے گی جگہ خالی اس کی

نوحۂ وفات

ضیغم ملت شوکت علی مرحوم

یہ دنیا نہیں ہے فریب نظر ہے — یہاں ہر گھڑی انقلاب دگر ہے
جہانِ عدم کی یہ اک رہ گزر ہے — عجب گردشِ چرخ و دورِ قمر ہے

رہے پھول دل چاک سب اس چمن کے
بدلتے رہے نقش اس انجمن کے

جو سِلک احبا نے گوہر گنوایا — اسے لاکھ آنکھوں نے ڈھونڈا نہ پایا
یہ نکتہ ابھی تک سمجھ میں نہ آیا — کہاں جا چھپی اتنی خلقت خدایا

مروت کے بندے محبت کے بھوکے
کچھ اس طرح روٹھے کہ بولے نہ منھ سے

زمانے نے ہم سے حکومت کو چھینا — اُس علم و ہنر کو، فضیلت کو چھینا
امیری کی مسند کو، دولت کو چھینا — اور اب ہم سے ظالم نے شوکت کو چھینا

وہ شوکت جو ملّت کی روح و رواں تھا
رواں اس ہی کے دم سے یہ کارواں تھا

وہ شوکت علی مردِ میدانِ ہمت — وہ مرغ نوا سنجِ بستانِ ہمت
وہ تیغِ صداقت، وہ پیکانِ ہمت — وہ کوہِ اولوالعزمی و جانِ ہمت

وہ چرخِ سیاست کا مہرِ منوّر
منظّم، مدبر، مقرّر، دل آور

وہ شیرازہ دیں بہم کرنے والا — وہ صرف ایک اللہ سے ڈرنے والا
وہ مشکل میں سینہ سپر کرنے والا — وہ احیارِ دیں کے لئے مرنے والا

بہت پلٹے کھاتا رہے گا زمانہ
ملے گا نہ اب ایسا مردِ یگانہ

زمیں بھی ہے شق اس الم کے اثر سے — صدائے فغاں اُٹھتی ہے بحر و بر سے
بجا ہے اگر چرخ سے خون برسے — اور آنسو رواں ہوں اگر چشمِ تر سے

وہ جانبازِ قوم آہ جاتا رہا ہے
جو اسلام کا غم اٹھاتا رہا ہے

مرثیۂ اقبال

یہ مرثیہ اسمٰعیل کالج جوگیشری (بمبئی) میں ۲۰ راگست
۱۹۳۸ء کو یوم اقبال کے جلسہ میں سنایا گیا تھا

شب مہ ظلمت گیتی کو مٹا دیتی ہے
اس پر اک غازۂ تنویر چڑھا دیتی ہے
فصل گل جور خزاں دل سے بھلا دیتی ہے
دشت کو گوشۂ فردوس بنا دیتی ہے
جھوم کر ابر کا ٹکڑا جو برس جاتا ہے
اجڑا میخانہ بھی برسات میں بس جاتا ہے

انتقال اہل حشم کا جو کہیں ہوتا ہے
ورثا میں سے کوئی تخت نشیں ہوتا ہے
وہی گنجینۂ دولت کا امیں ہوتا ہے
تخت خالی رہے ایسا تو نہیں ہوتا ہے
مرگ شاعر سے تو دنیا ہی بدل جاتی ہے
قوم رہتی ہے مگر روح نکل جاتی ہے

یوں تو شاعر مرے اور ہند میں پیدا بھی ہوئے
حسن گلزار و عنادل کے وہ شیدا بھی ہوئے
ان کے اشعار میں اوصاف ہویدا بھی ہوئے
داغِ دل ان کے حریف یدِ بیضا بھی ہوئے

حسن و زیبائی کے بازار میں بھی دھوم رہی
بزمِ ملّت ہی مگر فیض سے محروم رہی

شمع عارض کا کوئی ان میں سے پروانہ بنا
اور کوئی گیسوئے محبوب کا دیوانہ بنا
بعض کا قبلہ مقصد درِ جانانہ بنا
بعض کہتے تھے مسلماں سے کہ "بتخانہ بنا"

نرگسِ چشم کے بعض ان میں سے بیمار رہے
اور کچھ بادہ و ساغر ہی سے سرشار رہے

لیکن اقبال عجب شاعر فرزانہ تھا
وہ فقط لیلیٰ اسلام کا دیوانہ تھا
اس کا انداز بیاں سب سے جداگانہ تھا
اس کی ہر بات میں انداز حکیمانہ تھا

دین و ملّت کے سوا اس کو کوئی کار نہ تھا
حق تو یہ ہے کہ وہ دنیا کا طلب گار نہ تھا

اس نے الحاد سے روکا، ہمیں خود دار کیا
جرأت آموز کیا، دیں سے خبردار کیا
ہم کو میدانِ عمل کے لئے تیار کیا
طالبِ جور کیا، خوگرِ آزار کیا
اس کی ہمّت دلِ محزوں کو جو گرمانے لگی
وسعتِ دہر ہمیں تنگ نظر آنے لگی

اُسکے ہاتھوں میں رہی توسنِ حکمت کی زمام
اس کا اسرار و معارف سے مزیّن ہے کلام
اس کا ہر شعر ہے خود شانۂ زلفِ ابہام
شعر کیا شعر کے پردے میں ہے گویا الہام
لامکاں تک گئی آگے کوئی جا ہی نہ ملی
اس کی پروازِ تخیّل کو فضا ہی نہ ملی

ساغرِ نو میں وہ بھرتا رہا صہبائے کہن
سارے عالم کو سمجھتا رہا وہ اپنا وطن

موجبِ راحت پہیم تھے اسے رنج و محن
نزع کے وقت بھی ماتھے پہ نہ تھی کوئی شکن

اللہ اللہ عجب قوتِ ایمانی تھی
چہرہ بشاش تھا غم تھا نہ پریشانی تھی!

قوم کی موت ہے اک شاعرِ قومی کی وفات
کہ وہی بخشتا ہے اس کی رگ و پے کو حیات
قوم میں آتی ہیں سب اس ہی کی سیرت کی صفات
رودِ گنگا میں بھی وہ دیکھتی ہے موجِ فرات

بزم سُونی ہے یہ اقبال کے مرجانے سے
اب خلیلؑ اور اٹھے کوئی صنم خانے سے

نوحۂ وفات مصطفےٰ کمال اتاترک مرحوم

اتاترک اے شہیدِ ملک و ملّت، شیرِ حریت
دلِ عالم کو گرمائیگی تیری داستاں برسوں
تو ہی شعلہ نوا تھا اک نوا سنجانِ گلشن میں
ہمیں اب خوں رلائے گی بہارِ بوستاں برسوں

ابد تک تیرے غم میں دشت و صحرا خاک اڑائینگے
رہے گا تیرے مرقد پر فلک گریہ کناں برسوں

جہاں میں لاکھ ڈھونڈینگے مگر تجھ سا نہ پائیں گے
رہیں گے گرچہ سرگرداں زمین و آسماں برسوں

تری رحلت ہوئی بیوقت ورنہ اس زمانے میں
تو موجودہ سیاست کی اُڑاتا دھجیاں برسوں

ترے آگے یہ ہٹلر کیا تھا؟ اک طفلِ دبستاں تھا
ترے آگے تو آئیں سیکھتے سب حکمراں برسوں

ترے ہی دم سے نامِ حریت دنیا میں روشن تھا
ترے خنجر نے چمکائی تھیں تنہا بجلیاں برسوں

ترے سینے میں کیا دل تھا کسی شیر نیستاں کا
کہ تو بے دست و پا ہو کر لڑا ہے شادماں برسوں

تری تنظیم نے ترکی کی کایا ہی پلٹ ڈالی
مہینوں میں وہ اصلاحیں ہوئیں لگتے جہاں برسوں

ہمارے ڈوبتے سورج کی تابندہ کرن تھا تو
رہیں گے تیرے غم میں سب مسلماں نیم جاں برسوں

یاد اقبال

(یہ نظم واڈیا کالج پونا میں یوم اقبال کے جلسے میں پڑھی گئی تھی)

ماہ تابندہ ہے گو دن کو نظر آتا نہیں
شب میں بھی خورشید گردوں سے کہیں جاتا نہیں
دام گیسوئے ہوا نغمے کو الجھاتا نہیں
کیا فضا میں منتشر ہو کر وہ لہراتا نہیں
گل فسردہ ہو کے اپنی نکہتیں کھوتے نہیں
شکل مٹ جاتی ہے پر جوہر فنا ہوتے نہیں
ابر میں روپوش ہیں جو قطرہائے آبدار
پھول برساتا ہے باغوں میں انھیں کا انتشار
عطر دانوں میں نہاں ہیں ان کے بوئے لالہ زار
جا کے گلشن میں یہی بن جاتے ہیں جان بہار
اوس بن کر دیدۂ نرگس کو چمکاتے ہیں یہ
گلکدے کے فرش پر تارے نظر آتے ہیں یہ

فطرتِ انساں میں دانش کا گہر تابندہ ہے
جس کی تابش سے ضیاء مہر بھی شرمندہ ہے
ہر صفت اس گوہر نایاب کی پائندہ ہے
جسم انساں لاکھ فانی ہو مگر یہ زندہ ہے
اس کا ہر نقش حسیں اک جاوداں تحریر ہے
یہ جہاں ہے متن یہ اس متن کی تفسیر ہے

آہ اے اقبالؔ اے سرچشمۂ اعلیٰ صفات
اے کہ تو نے کی عجب تجدید تفسیر حیات
اے مسلمانوں کے عہد حاضرہ کی کائنات
آہ اے آوازِ حق، کیا سہل ہے تیری وفات
جس نے فرمانِ بقا پایا درِ اسلام سے
کیا فنا ہو جائے گا وہ گردش ایام سے؟

اے شہ اقلیم استغنا و رہ پیمائے عشق
واقف رمز خودی و بے خود صہبائے عشق
تیرے دل کا ذرہ ذرہ نیر دنیائے عشق
تیری خوں کا قطرہ قطرہ جوش میں دریائے عشق

قیس کے مکتب سے تجھ کو درس دانائی ملا
دیدۂ عرفاں سے تجھ کو نور بینائی ملا

یوں فسوں سازیٔ مغرب کو کیا ہے بے نقاب
شاہدِ تثلیث ساکت، اور کلیسا لاجواب

تیرے میخانے کی خیر اے ساقی عہدِ شباب
مغربی ساغر میں چمکائی ہے وحدت کی شراب

چرخ پر جب تک کہ مہر و مہ کے پیمانے رہیں
یا الٰہی اہلِ دل اس مے کے دیوانے رہیں

قطعۂ وفات جسٹس سر شاہ سلیماں مرحوم

کئی گھنٹے میں دن ظلمت کے پردے چاک کرتا ہے
رخِ گیتی کو جب مِلتا ہے جلوہ مہر تاباں کا

مہینوں کروٹیں لیتا ہے دانہ بسترِ گل پر
کہیں جب جا کے ہوتا ہے شگفتہ گل گلستاں کا

شعاع مہر صدیوں زیرِ معدن اس کو رنگتی ہے
نکھرتا ہے کہیں جب حسن اک لعل بدخشاں کا

صدف قرنوں تک اپنا منہ کھلا رکھتی ہے قلزم میں
جب اس کے بطن میں گرتا ہے قطرہ ابر نیساں کا

ہزاروں سال سیارے فلک پر دوَر کرتے ہیں
ہیولیٰ جب کہیں بنتا ہے اس عالم میں انساں کا

زمین و آسماں لاکھوں برس چکرائیں گے لیکن
قیامت تک بدل پیدا نہ ہوگا سر سلیماں کا

مقامات مقدسہ

سرزمین حجاز

سُرمہ چشم عقیدت ہے تو اے خاکِ حجاز
غازہ روئے ارادت ہے تو اے خاکِ حجاز
مایۂ صد فخر و عظمت ہے تو اے خاکِ حجاز
کاشفِ راز حقیقت ہے تو اے خاکِ حجاز
تیرے ہر ذرّے سے پیدا جلوہ کوہ طور کا
اور مضمر تیرے ہر قطرے میں دریا نور کا

تجھ پہ جو قطرہ گرے گردوں سے وہ گوہر بنے
تیرا جو ذرّہ اڑے افلاک پر اختر بنے
تیرے صحرا کا غبار آئینے کا جوہر بنے
کیوں نہ تیری خاک سے ایمان کا پیکر بنے؟
جستجو سے تیری کیوں گردش نہ ہو خورشید میں
سرنگوں ہے آسماں تک تیری شوق دید میں

ہیں مسلمانانِ عالم جاں نثاروں میں ترے
خون چھڑکا ہے انھوں نے لالہ زاروں میں ترے
کوہ فاراں ہے ازل سے چوب داروں میں ترے
نجد کا صحرا ہے ابتک بادہ خواروں میں ترے
تیرے رنگیں جام سے بحر عرب سرشار ہے
بحر احمر کیا ہے؟ تیرا آئینہ بردار ہے

کس غضب کی تیرے کوچے کی فضا ہے، کچھ نہ پوچھ
کس طرح کی تیرے گلشن کی ہوا ہے، کچھ نہ پوچھ

ہر طرف یہ کس کے عارض کی ضیا ہے، کچھ نہ پوچھ
اس نے بزمِ دہر کو کیا کیا دیا ہے، کچھ نہ پوچھ
عطر آگیں کس قدر تیرا چمن ہے کیا کہوں!
اس میں کس یوسف کی بوئے پیرہن ہے کیا کہوں!

یاد

ہے یہ آرزو کہ کرتا ترے کوچوں کی گدائی
کہ ترے گدا کے خرقے میں ہے بوئے پارسائی
تری سرزمیں میں پنہاں، تری آب و گل سے پیدا
کہیں شانِ دل فریبی، کہیں طرزِ دل رُبائی
ترے بوستاں کے منظر کی کشش کو کیا لکھوں میں
کہ جہاں گیاہ لرزاں میں ہے موجِ کہربائی
ترے ذرّے بیکسوں کے نہیں کیوں نہ نوردیدہ
کہ ہوئی ہے ختم تجھ پہ رہ و رسمِ آشنائی
ترے دستِ فیض ہی کا تھا کرشمہ ایک یہ بھی
کہ مٹا دیا تھا دل سے مرے نقشِ بے نوائی

مری غفلتوں کی کرتا رہا تو ہی پردہ پوشی
ترا ہر بشر تھا میرے لئے وقف جاں فروشی

وہ تری فضائے دلکش وہ نسیم صبح گاہی
وہ ترے حسین جن کی ہے ادائیں بے گناہی
وہ ترے چمن کا لالہ کہ کہیں تو وہ ہے ساغر
کہیں مثلِ چشم ساقی نظر آتی ہے سیاہی
ترے دلفریب ایواں کہ جو رشکِ فلک ہیں
ترے بحر کی وہ موجیں جو رواں ہیں مثل ماہی
وہ تری کشادہ راہیں جو حریف گلستاں ہیں
جہاں مثل سرو ہر دم کھڑے رہتے ہیں سپاہی
تری خوش نما مساجد میں وہ حُجرے اہل دل کے
ترے زہد اور تقدس کی جو دیتے ہیں گواہی

ترا جلوہ اب بھی مجھ کو نظر آتا ہے قمر میں
تری دلکشی کو پاتا ہوں میں عارض سحر میں

مسجد اقصیٰ

تری تقدیس کا دعویٰ نہیں محتاجِ دلیل — فرشِ گیتی پہ ہے تو آپ ہی اپنی تمثیل
فکرِ محمود کجا اور کجا وصف ترا — روبرو مہر کے گویا ہے ضیاءِ قندیل
تو وہ گنجینۂ اسرار ہے اے جامعِ قدس — جس کی قرطاسِ فلک ہی پہ ہو ممکن تفصیل
شیشۂ دل پہ میں کھینچوں گا ترے نقش و نگار — شاخِ طوبیٰ سے ہے بہتر مری کلکِ تخئیل
ابروئے پیکرِ ایماں تری دلکش محراب — اور انگشتِ شہادت ترا مینارِ جلیل
آستاں پر ترے کیوں ہو نہ ملائک کا ہجوم — کہ یہاں نورِ نبوت کی ہوئی ہے تنزیل
مہر و مہ کیوں نہ کریں تیری فصیلوں کا طواف — کہ یہی ان کیلئے کسبِ ضیا کی ہے سبیل
سرمۂ چشمِ بصیرت ہے تری راہ کی خاک — تیرا نظارہ مری جانِ تمنا کا کفیل

وصف بے حد ہے ترا اور بقولِ غالبؔ
"کلک میری رقم آموزِ عبارات قلیل"

فریادِ حرم

تجھے اے خود غرض مسلم مری ذلت سے کیا مطلب
مرے شیون سے کیا حاصل، مری حالت سے کیا مطلب

کوئی اب شکوہ بیگانگی تجھ سے کرے کیونکر
وطن کا تو ہوا شیدا، تجھے ملت سے کیا مطلب

نئے بت آج کل تیرے صنم خانے کی زینت ہیں
تجھے خلاق عالم کی عبودیت سے کیا مطلب

ترا ساقی نیا ہے بادہ و ساغر نرالے ہیں
ترا کوثر سے کیا رشتہ خُمِ وحدت سے کیا مطلب

تجھے خارِ وطن میں لذت فردوس ملتی ہے
تجھے اب گلستانِ کعبہ کی نکہت سے کیا مطلب

مٹا جاتا ہے جب تو امتیاز نسل و صورت پر
تجھے پھر غازۂ اسلام کی رنگت سے کیا مطلب

در اغیار پر جھکنے لگی ہے اب جبیں تیری
تجھے قبلے کی جانب سجدۂ طاعت سے کیا مطلب

ترا اب ساحلِ مقصود گنگا کا کنارا ہے
تجھے اب قلزمِ اسلام کی نسبت سے کیا مطلب

تجھے تفریق ملکی نے نئے نکتے سجھائے ہیں
تو ہندی ہے تجھے تاتار اور تبت سے کیا مطلب

جو ناموسِ عرب برباد ہوتی ہے تو ہو جائے
تجھے کاوش سے کیا حاصل تجھے زحمت سے کیا مطلب

وطن پرور فقط محبوب ہے اپنی زمیں تجھ کو
سنائے کیا کوئی افسانۂ اندوہگیں تجھکو

تو ذرّہ ہے شعاعِ مہر ضو افشاں کو کیا جانے
تو قطرہ ہے شکوہِ بحرِ بے پایاں کو کیا جانے

ابھی نام خدا تو برگِ نو ہے شاخِ بے گل پر
فروغِ حسنِ گل اور نکہتِ بستاں کو کیا جانے

ابھی تو بحرِ ہستی میں صدف کی طرح تشنہ ہے
تری کم مایگی فیاضئ نیساں کو کیا جانے

فضائے دہر میں غافل تو جگنو ین کے چمکا ہے
ترا جلوہ ضیائے محفلِ امکاں کو کیا جانے

مثالِ دیدۂ شبنم ابھی محوِ تماشا ہے
تری کوتاہ بینی منظرِ بستاں کو کیا جانے

فضائے یاس میں اُٹھا ہے گرد کارواں ہو کر
تری برگشتہ قسمت منزلِ جاناں کو کیا جانے

تری آنکھوں میں ہیں کچھ مغربی سطوت کے نظّارے
تری ضعفِ عقیدت قوت ایماں کو جانے

بنی آدم کی گردن میں ہے اک رشتہ اخوّت کا
مگر تو خود نہیں انساں تو پھر انساں کو کیا جانے

محیط عالم اسلام کو مرکز کی حاجت ہے
مگر تو بوالہوس اس نکتۂ یزداں کو کیا جانے

ہزاروں ملّتیں برباد کیں تفریق ملکی نے
مگر تو طفلِ مکتب گردشِ دوراں کو کیا جانے

مسلماں ہو کے گر تو نے نہ میری پاسبانی کی
تو پھر مجھ کو نہیں امید تیری زندگانی کی

موجِ زمزم

فلک ہے آج تک انجم بدست جسکے حضور   وہ رنگ بخش جواہر ہے میرا قطرہ نور
جمال روئے نبوت کا آئینہ ہوں میں   مری ضیا سے ہے وحدت کی سرزمیں معمور
مری تجلی باطن سے آفرینش برق   اور اضطراب سے پیدا ہزار جلوۂ طور
مری روانیٔ پیہم میں تیغ کی جھنکار   مرے سکون میں ہنگامے حشر کے مستور
یقیں ہے کردے فراموش لذت تسنیم   جو ایک گھونٹ پئے میرے میکدے سے حور
سرور بخش ملایک ہے میرا بادہ ناب   ہوئے ہیں جس کے تصور سے اولیا مخمور

تجھے بھی اس کی خبر موج گنگ ہو جاتی!

یہ سچ ہے تجھ سے بھی کچھ تشنہ لب ہوئی سیراب   دیا ہے تو نے بھی کچھ گوپیوں کو رنگ شباب
یہ سچ ہے تو بھی تھی آئینۂ جمال کبھی   تری جبیں کی شکن بھی تھی ماہِ نو کا جواب
تری تجلی ظاہر بھی تھی نظارہ سوز   کیا تھا تو نے بھی شمشیر حسن کو بے آب
حریف گلکدۂ ہند تھی بہار تری   کیا تھا نخل عقیدت کو تو نے بھی شاداب
مگر کہاں تری گلشن میں رنگ و بوئے جناں   کہاں وہ روح کی لذت کہاں وہ بادۂ ناب
رہی تو ورطۂ اوہام ہی میں سرگرداں   پڑی رہی رخ سیمیں پہ معصیت کی نقاب

تو میرے حوض میں کاش اپنے منھ کو دھو جاتی!

نورِ معرفت

نخلِ الفت عشق کی وادی سے لے آئے تھے نوحؑ
کچھ ہوا دینے لگی اس کو صفی اللہؑ کی روح
سوز اس کو مل چکا تھا عشق کی اقلیم سے
ہو گیا خوگر تپش کا جذب ابراہیمؑ سے
ایک چنگاری اٹھا لائے تھے موسیٰؑ طور سے
پھینک دی اس نخل الفت پر انھوں نے دور سے
اس کے گرتے ہی وہ سُلگا اور فروزاں ہو گیا
اہل دل کی سوزش باطن کا ساماں ہو گیا
حضرت عیسیٰؑ نے بھرکیں اس سے کچھ گل چینیاں
اس کو اپنے خونِ دل کی بخش دیں رنگینیاں
احمدؐ مرسل نے اس کے حُسن کی تکمیل کی
نار کی شعلہ فشانی نور میں تبدیل کی
اس کے شعلے نورین کر کوہ فاراں سے اٹھے
بن گئے مہتاب جو ذرے بیاباں سے اُٹھے

عشق کی آتش سے نور معرفت پیدا ہوا
جس کے جلووں سے جمال خلد بھی پھیکا ہوا

جس کی لمعانی سے اس ظلمت کدے میں نور ہے
جس کے پرتو سے دل مسلم حریف طور ہے

گلشن رضواں کی زیبائی اسی کے دم سے ہے
حور کی معصوم رعنائی اسی کے دم سے ہے

رہروِ حجاز

اپنوں سے گلے مل کے یہ دین کا شیدائی
بطحا کی طرف جاتا ہے بہر جبیں سائی

گلکاریاں کرتا ہے فوارۂ مژگاں سے
گلشن کے مزے لیتا ہے دشت و بیاباں سے

تسکین کا موجب ہیں آلام و خطر اس کو
ہر خار میں ملتا ہے کاوش کا ثمر اس کو

ہر شعلے میں یہ پاتا ہے طور کی لمعانی
ذرّوں میں نظر آتی ہے شمس کی تابانی

شاہوں سے یہ بڑھ کر ہے گو بے سر و ساماں ہے
اس کے دل شیدا میں گنجینۂ ایماں ہے

میں صورت گرد اس کے دامن سے لپٹ جاتا
اور گنبد خضرا کو آنکھوں سے لگا آتا

کوٹلہ فیروز شاہ تغلق (دہلی)

یہاں کے ذرّے آنکھوں کی طرح بیدار رہتے ہیں
یہ عہد نو کے استقبال کو تیار رہتے ہیں

نہ دیواریں ہی سالم ہیں نہ در آرام گاہوں میں
مگر زائر کے چھا جاتی ہے کچھ ہیبت نگاہوں میں

یہاں کی سرزمیں میں حشر کے ہنگامے خفتہ ہیں
یہاں کی سنگ رہ میں برق کے شعلے نہفتہ ہیں

یہاں جو نقش بوسیدہ ہے وہ تحریر عبرت ہے
یہاں جو سقف بشکستہ ہے وہ تصویر عبرت ہے

یہ سنگیں لاٹ کچھ رفعت کے افسانے سناتی ہے
دل نومید سے کچھ یاس کے پردے اُٹھاتی ہے

فضا میں نوبتیں کچھ گونج کر پیغام دیتی ہیں
مجھے یہ مژدۂ بیداری اسلام دیتی ہیں

مناظر قدرت

افکارِ جہاں یاس فزا والم انگیز
قدرت کے مناظر ہیں سکوں بخش و طرب خیز
گو صورتِ مدہوش
وہ شہر سے روپوش
ہر وقت ہیں خاموش

سرزمین وطن

اے گلِ نخلِ تمنا، غنچۂ بستانِ شوق
کھینچتے ہیں تیرے کانٹے بھی مرادامانِ شوق
تیرے کوچوں میں بہاریں عید کی پاتا ہوں میں
تیرے ذرّوں میں کشش خورشید کی پاتا ہوں میں
ذرّہ ذرہ تیرا روئے دھر کا آئینہ دار
قطرہ قطرہ تیرے دریا کا ہے قلزم در کنار

تیرے گلشن پر خزاں بھی پھول برساتی رہی
برقِ خرمن سوز آئینے ہی چمکاتی رہی

مضطرب پروانہ جس سے شمع کی محفل میں ہے
وہ شرارِ عشق مضمر تیری آب و گِل میں ہے

تیرے دریا میں نہیں ہے یہ روانی کی جھلک
ہے اس آئینے سے پیدا زندگانی کی جھلک

کھِلکھِلا اُٹھتا ہے مجھ کو دیکھ کر تیرا چمن
تیرا سبزہ تک نہیں بیگانہ مجھ سے اے وطن

باغِ دنیا کے لئے راحت فزا تیری شمیم
غنچۂ دل کے لئے عقدہ کشا تیری نسیم

بس سکونِ دل تری آغوش میں پاتا ہوں میں
کچھ سخن تیرے لبِ خاموش میں پاتا ہوں میں

تیری ان رنگینیوں میں دل کشی کا راز ہے
جو ادائے دل نشیں ہے اس میں اک اعجاز ہے

یوں تو اپنی دلکشی میں ہر جگہ ہی خوب ہے
میرے سادہ دل کو تیری سادگی مرغوب ہے

سیرِ کوہسار

(شبِ ماہتاب میں)

اک عالمِ سکوں ہے بزمِ جہاں پہ طاری
اور خواب کر رہا ہے آنکھوں پہ سحر کاری
خورشید سو گیا ہے منزل پر اپنی آکر
لیٹا ہوا ہے شب کی چادر میں منہ چھپا کر

دریائے پُرسکوں پر چاندی کی قاب نکلی
یا کوئی جل پری یہ با آب و تاب نکلی
آئینہ مہرِ خاور کا لاجواب نکلا!
یا چرخِ نیلگوں پر یہ ماہتاب نکلا!

اس کی ضیا سے دنیا معمور ہو گئی ہے
رخسارِ شب سے ظلمت کافور ہو گئی ہے
کہسار گرچہ اپنے کھولے ہوئے ہیں آغوش
لیکن بتوں کی صورت یہ سب کھڑے ہیں خاموش

یہ حسن جاں فزا اور یہ ان کی جامہ زیبی
انداز کج کُلاہی اور شان دلفریبی!

پانی کی سطح کیا ہے آئینۂ فلک ہے
یوں کہیے مایہ دار گنجینۂ فلک ہے

اللہ کیسی چمکی ہے آج اس کی تقدیر!
مہتاب دیکھتا ہے جُھک جُھک کے اپنی تصویر!

دریا میں چھوٹے چھوٹے خیمے ہیں بلبلوں کے
غنچوں کے عکس بھی ہیں، نقشے بھی ہیں گلوں کے

وادی پر فضا میں پھیلی ہے مہ کی تنویر
ہر ذرہ کھینچتا ہے سینے پہ مہ کی تصویر

پھولوں کی ڈالیوں پر جگنو چمک رہے ہیں
یا دم بدم گل اپنی آنکھیں جھپک رہے ہیں

ہر چند رات پر ہے سب کو گماں دن کا
سہما ہوا ہے لیکن وادی کا تنکا تنکا

سیر کوہسار

(بوقت صبح)

خوں سے آلودہ شفق کی نظر آئی شمشیر
صفحۂ دہر سے مٹنے لگی شب کی تصویر
بزم انجم میں کہا ماہ نے ہو کر دل گیر
جھلملاتی ہے مری شمع کہاں اب تنویر
دامن صبح سے چھننے لگا خورشید کا نور
ہو گئے وادئ کوہسار میں بیدار طیور

دُرِ شبنم تھے جو دامن میں صبا کے مستور
جلوہ گر ان میں ہوا مہر جہاں تاب کا نور
نور خورشید سے ہر ذرّہ بنا شعلۂ طور
امتحاں دل کو ہوا تاب نظر کا منظور
خنکی کوہ کی تاثیر یہ دکھلاتی تھی
نگہ شوق جہاں جاتی تھی جم جاتی تھی

چشمے سبزے پہ رواں سیکڑوں بل کھاتی ہوئی
سانپ پارے کے نظر آتے تھے لہراتے ہوئے
نغمہائے طرب انگیز بہم گاتی ہوئے
رخ کو چمکاتے ہوئی آئینے دکھلاتے ہوئے
ورطۂ آب میں عالم تھا یہ جولانی کا
زلفِ برہم کو سبق دے جو پریشانی کا

غنچہ و شاعر

(شاعر)

بہار باغ کے مہمان شاد کام ہے تو
کہ دست شاخ میں عشرت کا ایک جام ہے تو
شمیم گل سے ہے لبریز عطرداں تیرا
ہے عندلیب تری اور گلستاں تیرا
تجھے چمن میں دل اپنا سمجھتی ہے بلبل
خوشی سے کانٹوں میں تیرے الجھتی ہی بلبل

مگر کہیں نہ غضب ڈھائے یہ جمال ترا
ڈرا رہا ہے مجھے تو غمِ مآل ترا

ہوا فضول تو گلشن میں آ کے جلوہ فروش
نظر سے اہلِ جہاں کی نہ ہو گیا روپوش
تری طرف کوئی جھونکا صبا کا آتا ہے
تو جھوم جھوم کے تو کیسا مسکراتا ہے
خزاں کا خوف نہ گلچیں کا ہے خطر تجھ کو
مآلِ حسن کی شاید نہیں خبر تجھ کو

غنچہ

مرا وجود مرقع ہے میری حالت کا
یہ انبساط تقاضا ہے میری فطرت کا
مآلِ کار پہ رکھوں نظر تو ہوں مغموم
میں لطفِ زیست سے تیری طرح رہوں محروم

اصولِ زیست سے تو آشنا نہیں ہے ابھی
یہ ایک رمز ہے تو جانتا نہیں ہے ابھی

زیادہ مجھ سے نگہباں ہے میرا رب قدیر
بدل نہ جائے گی گریہ سے کچھ مری تقدیر

خدا کے ہاتھ میں ہے بیخبر مرا انجام
مصیبتیں بھی ہیں مجھ کو نشاط کا پیغام

ہوا کے تیروں سے جب جسم زار چھلتا ہے
تو برگ برگ مسرت سے اور کھلتا ہے

دکھا دکھا کے تبسّم سے جسم رنگیں کو
لُبھا رہا ہوں میں خود ہی نگاہ گلچیں کو

غرض یہ ہے مری ہستی کسی کے کام آئے
یہ جسم زار مرا شاخ پر نہ مرجھائے

برفباری

بجلی چمکی بادل آئے | رفتہ رفتہ اُفق پر چھائے
برق میں بوندیں ہلکی ہلکی | چلمن سے ضو حسن کی جھلکی
اولے گرتے گرتے ٹوٹے | دست فلک سے گوہر چھوٹے
آج زمیں کو ہنستے دیکھا | ہُن دنیا میں برستے دیکھا

چھوڑے ہیں نداف فلک نے روئی کے گالے چھوٹے چھوٹے
تازہ تازہ خلد بریں سے گرتے ہیں کچھ پھول جوہی کے
دیکھے تھے کس نے یہ نظارے ٹوٹ کے آئے چرخ سے تارے
وادی میں جو سرو کھڑے ہیں ان کے گلوں میں ہار پڑے ہیں
پتّا پتّا آئینہ ہے حسنِ ازل کا گنجینہ ہے
ساغرِ گل بالائی سے پُر ہے قطرۂ خار اک سفتہ دُر ہے
کوہ کے سر پر عمامہ ہے وادیوں کا اجلا جامہ ہے
شاہد قدرت آیا سنور کے لایا کوزے میں دریا بھر کے

موسمِ گل

میکدۂ بہار نے سب کو بنا دیا ہے مست
جام ہوئے ہیں سرنگوں، ساقیِ فتنہ زا ہے مست
جھوم رہے ہیں بادہ کش، بلبل خوش نوا ہے مست
قمری ادھر ہے نغمہ زن، سرو ادھر کھڑا ہے مست
موسمِ گل کا عکس ہے شیشۂ دل میں اس طرح
رنگ دے شوخیِ شباب آئینہ کو جس طرح

گیسوئے ابرِ تر نے کچھ، حسنِ چمن بڑھا دیا
اپنا خزانہ گہر اس نے یہاں لٹا دیا
لخلخہ تخمِ خفتہ کو، زیرِ زمیں سنگھا دیا
خوابِ گراں سے دفعتہً جس نے اسے جگا دیا
صحنِ چمن میں غنچہ کی سرخ زباں نکال دی
جامۂ سبز کی قبا جسمِ شجر پہ ڈال دی

آئی نسیم باغ میں غمزۂ جانفزا کے ساتھ
بادۂ بیخودی پیے، شوخیٔ دل ربا کے ساتھ
چال میں تھی ادا مگر فتنہ ہر اک ادا کے ساتھ
ناز میں تھی جفا مگر لطف بھی تھا جفا کے ساتھ
شاخِ چمن میں جا چھپی عارضِ گل کو چوم کر
اور لگی ناچنے وہاں ناز سے جھوم جھوم کر

نکہتِ جانفزا سے ہے آج بسا ہوا چمن
لالے کہیں کھلے ہوئے اور کہیں ہے نسترن

نرگس و نیلوفر کہیں اور کہیں ہے یاسمن
شاخِ چمن نزاکتوں میں ایک عروس گلبدن
برگِ چمن بنے ہوئے بلبلوں کی زبانِ شوق
غنچوں کے دل میں موجزن عشق کی داستانِ شوق

ہے کفِ لالہ میں اگر بادۂ سرخ کا سبُو
سوسنِ کمِ سخن کے بھی لب پہ ہے حرفِ آرزو
سُنبلِ خم بہ خم میں ہے نکہتِ زلفِ مشکبُو
عارضِ گل سے ہی عیاں جلوۂ حسنِ خوبرُو
قامتِ یار کی طرح سروِ چمن تنا ہوا
دلکشیٔ بہار کو دیکھ کے بت بنا ہوا

آمدِ بہار

مرغانِ چمن چہکے، پھر فصلِ بہار آئی
کرنے لگی عالم کی قدرت چمن آرائی

ہر چمنستان ہے یا آئینۂ تاباں
یہ برگ ہو جنباں یا طوطی نے لی انگڑائی

ہر غنچہ سربستہ مشکیزۂ نکہت ہے
ہر گل میں حسینوں کے عارض کی دلآرائی

ہر قطرۂ شبنم ہے آویزۂ گوشِ گل
اور نرگسِ شہلا میں آنکھوں کی سی بینائی

جو خلد کے ایواں میں محرابِ مرصّع تھی
وہ قوسِ قزح بن کر گلشن میں اتر آئی

ہر غنچہ کو چونکایا ہے خوابِ پریشاں سے
دکھلائے صبا نے بھی اعجازِ مسیحائی

جو مرغ ہے گلشن میں مصروفِ ترانہ ہے
شادی ہو پرندوں کی یا فصلِ بہار آئی

محمودؔ جگر خستہ ہنس بول ذرا تو بھی
کب تک تری مایوسی، کب تک تری تنہائی!!

بسنت رُت

وہ جاڑوں کی ٹھنڈی راتیں
اور وہ بے موسم برساتیں

اُونی کپڑوں کی سوغاتیں
پٹو۔ کشمیرے۔ باناتیں

ہو گئیں اب سب خواب کی باتیں

پشمینے اور شال دوشالے　　موٹے ڈُھسّے کالے کالے
کمبل خاکی اور مٹیالے　　کون اب ان کو تن پر ڈالے
کون اب ان کو دیکھے بھالے

درویشوں کے جھولے نکلے　　ہلکے پھُلکے چولے نکلے
کنجڑے لے کر ہولے نکلے　　ہر کوچے ہر ٹولے نکلے
بچے بھولے بھولے نکلے

خوش وقتی کے حیلے نکلے　　سج کر شاہ رنگیلے نکلے
تہمد نیلے نیلے نکلے　　کرتے ڈھیلے ڈھیلے نکلے
جوڑے پیلے پیلے نکلے

میدانوں میں آئی ہے رونق　　گھوڑے سبزے، مشکی، ابلق
جست بھری اور ہو کے معلّق　　کود گئے وہ کھائی خندق
دیکھنے والوں کے ہیں منہ فق

راکب نے گھوڑ دوڑ کو چھوڑا اور گھما کر اپنا کوڑا
رخ گھوڑے کا شہر کو موڑا چورا ہے پر اڑ گیا گھوڑا
راستے میں کچھ توڑا پھوڑا

جوگی چھان رہے ہیں بھنگیں دل میں صوفی کے ہیں اُمنگیں
لڑکے بھی بھرتے ہیں ترنگیں لے آئے ہیں ڈور پتنگیں
کوٹھے کوٹھے ٹھن گئیں جنگیں

سرسوں، گیندا، سوسن پھولے املی۔ آم اور جامن پھولے
شاخیں پھوٹیں، گلشن پھولے جنگل پھولا اور بن پھولے
کہساروں کے دامن پھولے

آبشار

مطربِ بزمِ چمن آئینہ بردارِ بہار — ساقیِ مینا بدوش و میزبانِ کوہسار
آتشِ سیّال، برقِ تیزرو، دریائے نور — چادرِ سیمابِ رقصاں، پرتوِ رخسارِ حور
مہر کے آتش کدے کا جلوۂ تاباں ہے تو — یا زمیں پر ماہ کا اک حصّۂ عریاں ہے تو
گونج وادی میں ترے یہ قطرہائے آبدار — جوہی کے پھولوں سے جیسے کھیلتا ہو کوہسار
جیسے چھوٹے قمقمے روشن ہوں نخلِ طور میں — جیسے جگنو ٹمٹماتے ہوں شبِ دیجور میں
کیا فضائے گلستاں میں گل کے طیارے ہیں یہ — یا جبینِ چرخ سے چھوٹے ہوئے تارے ہیں یہ
فصلِ گل کی نازنین آئینہ سیما ہے تو — وادیِ گل پیرہن کا خندۂ زیبا ہے تو
تیرا ہر قطرہ دل آویزی میں دنیائے بہار — تیری ہر موجِ رواں حسنِ چمن کی مایہ دار
ہاں ملائے جا یونہی تو اپنے گوہر خاک میں — اُن کی آمیزش سے آ جائینگے جوہر خاک میں

تو پلائے جا یونہی ہر تشنہ لب کو اپنے جام
اور یونہی نکلی رہے تیری زبانِ تشنہ کام

برسات کا سفر

کلکتہ میل میں ہوا منماڑ[۱] سے سوار — موسم بہار کا تھا سماں بھی تھا خوش گوار
دامن میں کوہ گلشن جنت لئے ہوئے — اوراقِ گل صحیفۂ قدرت لئے ہوئے
پودوں نے سر پہ پھولوں کے طُرّے لگائے تھے — بوندوں نے سبزہ زار پہ موتی اُگائے تھے
دریا میں اپنا رقص بھنور جب دکھاتے تھے — موجوں کے کانپتے ہوئے لب مسکراتے تھے
جھیلیں تھیں یا تھے دیدۂ روشن کھلے ہوئے — مژگاں کی طرح پودوں کے نشتر تلے ہوئے
دوشیزۂ بہار کی تزئین نرالی تھی — دریا نے مانگ سبزے کے اندر نکالی تھی
کلیوں کے منھ میں اوس کے قطرے پڑے ہوئے — یوں کہیئے ان میں تھے دُرِ دنداں جڑے ہوئے
بگلوں کی دیدہ زیب قطاریں تھیں گھاس پر — کائی کی سطح پر ہوں کنول جیسے جلوہ گر
پانی کے آئینہ میں تھی بوٹی جڑی ہوئی — نیلم پری نہاتی تھی جل میں کھڑی ہوئی
نرگس کی طرح کور نہ تھے دیدۂ حباب — ان میں تھی نور مہر سے انجم کی آب و تاب

رکھتی تھی پاؤں پھونک کے گُل پر نسیم بھی
پتّوں سے چھن کے آتی تھی گُل کی شمیم بھی

---

[۱] بمبئی کی راہ میں جی آئی پی ریلوے کا ایک اسٹیشن ہے۔

برسات رُت

برسات کی رُت قریب آئی — کوئل کی وہ کوک دی سنائی
ٹہنی ٹہنی پپیہے چہکے — بادل پھرتے ہیں بہکے بہکے
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آئیں — کالی کالی گھٹائیں چھائیں
بوندوں کا وہ زور گھٹ گیا ہے — بادل کا جو پردہ ہٹ گیا ہے
پنچھی جو ملہار گا رہے ہیں — غنچے ہیں کہ مسکرا رہے ہیں
پیڑوں کے ہیں بانکپن نرالے — سب نے نئے جوڑے ہیں نکالے
دھانی ہے کوئی تو کوئی اودا — نیلا ہے کوئی تو کوئی پیلا
بن میں تو اک آگ لگ رہی ہے — ٹہنی ٹہنی سُلگ رہی ہے
یہ پھول ہے شاخ پر جوہی کا — یا انگلی میں جلوہ آرسی کا
پانی میں کنول چمک رہے ہیں — باغوں کی بہار تک رہے ہیں
موروں کے پروں میں کیا جھلک ہے — کیا رنگ ہیں اور کیا چمک ہے!
گردن میں دھنک کی سی جھلک ہے — رعنائی میں غیرت فلک ہے
جنگل میں یہ ہو رہا ہے منگل — سبزے پہ ہیں تیتروں کے دنگل
ہیں بیر بہوٹیاں کہیں پر — بکھرے ہیں عقیق سے زمین پر

سبزے کی تو بچھ رہی ہے چادر
اور ان کی ہے لال بیل اس پر

پر تولے ہوئے یہ تتلیاں ہیں
لرزاں سی گلوں کی پتیاں ہیں

ریشم کے سے پر پروں پر افشاں
ہر رنگ ہے غیرتِ گلستاں

پھر دیکھو عجب بہار ہو جائے
سورج کی کرن جو پار ہو جائے

جو پھول ہوا سے جھومتا ہے
بھونرا اُسے آکے چومتا ہے

جاتی ہے صبا جو گدگدا کے
کھل جاتی ہیں کلیاں مُسکرا کے

راتوں کا سماں ہے کیا انوکھا
ہو جاتا ہے صبح کا سا دھوکا

جگنو کا دیا جو ٹمٹمایا
بجلی نے زمیں کو جگمگایا

برسات کی رُت ہے تیری کیا بات
راتیں تیری دن ہیں اور دن رات

نوروز

نوروز نے کیا حسن نکھارا ہے زمین کا
یوں کہئے یہ اک قطعہ ہے فردوس بریں کا

گلشن کی فضا رندی و مستی سے بھری ہے
ڈالی نہیں جھولے میں کوئی سبز پری ہے

پھولوں سے اگر جلوۂ مہتاب عیاں ہے
ہر کرمک شب تاب پہ تاروں کا گماں ہے
کونپل کے سر شاخ حنا بستہ ہیں پورے
نہروں میں حبابوں کے چھلکتے ہیں کٹورے

رس لیکے نگس نکلی تھی پھولوں کے دہن سے
اب چھن کے مہک آتی ہے ہر برگ چمن سے
گل کانٹوں میں شبنم کے گہر تول رہے ہیں
کچھ گانے کو ہیں غنچے جو لب کھول رہے ہیں

گلشن کی فضا حسن کے جلووں سے ہے معمور
اب دیدۂ نرگس بھی نظر آتی ہے پُر نور

دریا کا منظر

آئینۂ دوشیزۂ قدرت ہے یہ دریا   یا نقرۂ سیال کا لبریز خزانا
تنویر جہاں تاب
اک چادر سیماب
یا پارۂ مہتاب

گل ہنستے ہیں بیساختہ دریا کے کنارے
کس ناز سے کرتے ہیں یہ ہر سمت اشارے

ٹہنی کو جھکا کر
پتوں کو اٹھا کر
عارض کو دکھا کر

رومال ہلانے لگیں پانی پہ ہوائیں
اور لینے لگیں چہرۂ دریا کی بلائیں

موجوں کے کُھلے لب
جنبش میں ہوئیں جب
اور گانے لگیں سب

کچھ ان کی زبانوں پہ ہیں مبہم سے فسانے
داؤدؑ کے دل خوش کن وجاں بخش ترانے

گائے کوئی جیسے
خیاؔم کی لے سے
رومؔی ہی کی نے سے

زربفت کی پوشاک ہے ہر گل کے بدن پر
سورج نے بٹھایا ہے اسے اپنی کرن پر

کس درجہ چمک ہے
ہر پتّی دھنک ہے
رگ رگ میں جھلک ہے

عکس آب میں پھولوں کا ہی اور جھوم رہے ہیں　　جُھک جُھک کے یہ ساحل کے قدم چوم رہی ہیں
دیکھا ہے تہ آب
اک منظر نایاب
اک گلشن شاداب
پانی میں جو کچھ پودے کھڑے کانپ رہی ہیں　　وہ سینہ دریا کا عمق ناپ رہے ہیں
مرغاب ہیں جنباں
گرداب ہیں رقصاں
جو شے ہے وہ شاداں
افکار جہاں یاس فزا و الم انگیز　　قدرت کے مناظر ہیں سکوں بخش و طرب خیز
گو صورت مدہوش
وہ شہر سے روپوش
ہر وقت ہیں خاموش

کنول

پانی کی پری نے سر نکالا   جھونکوں سے ہوا کے ہل رہی ہے
دامانِ قبا کو پھاڑ ڈالا   اور پھر بھی خوشی سے کھل رہی ہے

دریا میں کسی کا دستِ گلگوں   آغوشِ ہوا میں کھیلتا ہے
یا ماہِ رواں کا عکسِ موزوں   موجوں کی فضا میں کھیلتا ہے

یہ سرخ کنول کھلا ہوا ہے   یا پانی میں آگ جل رہی ہے
اک ٹکڑا شفق کا گر گیا ہے   سورج کی کرن نکل رہی ہے

سیمیں کشتی ہے ایک پرضَو   اور اس میں طِلا ملا ہوا ہے
لے جس سے تجلیاں مہِ نو   پانی میں وہ گل کھلا ہوا ہے

پھولوں کی ڈالی

یہ پھولوں کی ڈالی ہے کہ پاکیزہ دھنک ہے — یا دھانی دوپٹے میں ستاروں کی لڑی ہے
پریوں کا مگس راں ہے کہ پروین فلک ہے — یا لعل و زمرد میں لدی حور کھڑی ہے

بلبل کی طرح برگ جو پر تول رہے ہیں — ممکن ہے کہ ہوں سوئے چمن مائلِ پرواز
طوطی کی طرح یہ جو زباں کھول رہے ہیں — ممکن ہے کہ دکھلائیں کوئی نغمے کا اعجاز

ہر برگ میں پیوستہ ہیں شبنم کے نگینے — اور ان کو پروئے ہوئے خورشید کی تنویر
چھوٹا سا فلک اس میں ستاروں کے دفینے — یا جلوہ نما سیکڑوں مہ پاروں کی تصویر

جو پھول شگفتہ ہے وہ ہے دیدۂ بیدار — اور ہر ورقِ گل میں ہے مژگاں کی سی تحریر
تو دیکھ نہ ان پھولوں کو محمودؔ خبردار — ہر پھول میں پوشیدہ ہے اک عالمِ تسخیر

تاروں بھری رات

رنگ شفق اڑ گیا گلشن افلاک سے
گرنے لگے اشک تر دیدۂ غمناک سے
ایک نیا آسماں بننے لگا خاک سے
جلوے ہوئے بے نقاب تاروں بھری رات میں

کیں گہر افشانیاں جب فلک پیر نے
کھول دیں اپنی لٹیں زلف گرہ گیر نے
رات کو دن کر دیا حسن کی تنویر نے
جلوے ہوئے بے نقاب تاروں بھری رات میں

محفل انجم کی ہے چرخ کے اوپر بہار
اور چمکنے لگا جگنوؤں سے سبزہ زار
صحن چمن شعلہ بار اور فلک زرنگار
جلوے ہوئے بے نقاب تاروں بھری رات میں

ٹھنڈی ہواؤں نے کچھ سوزش دل دور کی
بچھنے لگیں چادریں گلشنوں میں نور کی

آنے لگی کچھ جھلک جلوہ گہ طور کی
جلوے ہوئے بے نقاب تاروں بھری رات میں

سبزۂ خوابیدہ کو چھیڑنے آئی صبا
ہنسنے لگے پھول جب کلیوں نے کھولی قبا
ہر شجر گلستاں وجد میں آنے لگا
جلوے ہوئے بے نقاب تاروں بھری رات میں

کوہستانی چشمہ

نظر آتی تھی ایک بستی اُجاڑ — مگر اس کی چاروں طرف تھے پہاڑ
جو سینے سے بادل لگائے ہوئے — سوئے چرخ تھے سر اٹھائے ہوئے
وہ پھولوں کو جھولی میں ڈالے ہوئے — زرِ گل کو ان کے سنبھالے ہوئے
وہ پھولوں کا ہلنا وہ ٹھنڈی ہوا — ہر اک جھونکا شبنم سے بھیگا ہوا
گلوں میں سے ہو ہو کے جھونکے چلیں — کہ جیسے حسین خَس کے پنکھے جھلیں
وہاں ایک چشمہ اُچھلتا ہوا — پہاڑوں سے آتا تھا چلتا ہوا
وہ مُڑتا ہوا اور سُکڑتا ہوا — پھسلتا ہوا گرتا پڑتا ہوا
وہ شفّاف پانی اُڑاتا ہوا — وہ بوندوں کے موتی بناتا ہوا

وہ گاتا، ہوا گنگناتا ہوا　　وہ چڑیوں سے تانیں ملاتا ہوا

مچلتا ہوا اور ہنستا ہوا　　پہاڑی کے دامن میں دھنستا ہوا

چٹانوں کے پتھر کو گھستا ہوا　　کہیں گھاس میں جا کے رِستا ہوا

کہیں جگمگایا شرارے کی طرح　　کہیں تلملایا وہ پارے کی طرح

وہ پانی میں شاخیں ہلاتا ہوا　　وہ آئینے گل کو دکھاتا ہوا

حبابوں کو سر پر نچاتا ہوا　　وہ کنڈلی بھنور کی بناتا ہوا

وہ موجوں کے اندر الجھتا ہوا　　وہ رُک رُک کے خود ہی سلجھتا ہوا

عجب طرح محمود بہتا تھا وہ
ہر افتاد ہنس ہنس کے سہتا تھا وہ

جزیرہ نہوہ کا سفر

سوئے ساحل پئے تفریح جو نکلا میں کل
کہا احباب نے چلتا ہے جو نہوہ[1] کو تو چل
وہ جزیرہ ہے عجب معدن خوبی واللہ
لعل بن جائے پہنچ جائے جو سنگِ اسفل

---

[1] بمبئی کے قریب ایک جزیرہ ہے۔

وقت فرصت تھا شب ماہ تھی اور فصل بہار
اس سے بہتر نہ تھا تفریح و تفرّج کا محل
عرض کی میں نے مجھے عذر نہیں بسم اللہ
قصہ کوتاہ کہ پل میں گئے ساحل سے نکل
دلکشی بحر کی لکھنے کو تو لکھتا ہوں میں
خامۂ شوخ کہیں ہاتھ سے جائے نہ اُچھل
میں وہ شاعر ہوں مری فکر رسا کی حامل
نہ مسدس نہ مخمس نہ قصیدہ نہ غزل
بزم میں کھینچ چکی کلک چمن کے خاکے
اور کی رزم میں ہمت کی سناں پر صیقل
دیکھیے اس کی گہرریزیاں اس بحر میں بھی
کہ مجھے بحر کا کرنا ہے بیان مجمل
مہر و مہ بن کے چمکتے تھے سمندر میں حباب
آب کی سطح نظر آتی تھی گردوں کا بدل
ساحل بحر انھیں نخوت سے ہٹا دیتا تھا
لہریں آتی تھیں قدم چومنے جب سر کے بل

چہرۂ بحر کو چھونے بھی نہ پائی تھی نسیم
اس کے تیور پہ نزاکت سے پڑے سیکڑوں بل
فرشِ مخمل پہ تھی آغوش کشا سبز پری
غلطی تھی جو سمجھتے تھے اسے نخلِ جبل
قصرِ الماس میں خورشید چلا آیا تھا
گلِ صد برگ کی ڈالے ہوئے رنگیں ہیکل
مہر کی کرنیں سرِ شام غضب ڈھاتی تھیں
جیسے حوروں کے لٹکتے ہوں سنہری آنچل
یوں سمندر کے کنارے تھی چراغوں کی قطار
نیلگوں ساڑھی پہ ہو جیسے سنہری جدول
عکسِ مہتاب پہ تھا اس طرح موجوں کا ہجوم
جیسے رخسار پہ ہوں گیسوئے پرپیچ کے بل
حسنِ دلکش کو بڑھاتی تھی ہر اک موجِ لطیف
چہرۂ ماہ پہ تھا آبِ رواں کا آنچل
بحر کی سطح سے پیدا تھی گلستاں کی بہار
شاخ لرزاں تھی اگر موج تو گرداب کنول

آب کو آب دیئے جاتی تھی مہ کی تنویر
شاعروں کے لئے تھی موج رواں تیغ اجل
دور سے چشم کی صورت نظر آتے تھے جہاز
چشم بدمست بھی وہ جس میں لگا ہو کاجل
اور کٹوروں کی طرح تیرتے پھرتے تھے بھنور
ظرف قلزم نظر آتا تھا چھلکتی چھاگل
قطرہ قطرہ میں نمایاں تھی گہر کی تنویر
جن کو سینے میں چھپا لیتے تھے آکر بادل
کشتیاں دور سے جل پریاں نظر آتی تھیں
گل کھلاتی تھی یہ مینار کی رنگیں مشعل
سیکڑوں قوس قزح بن کے بگڑ جاتی تھیں
آگ سی جل میں نظر آتی تھی اور آگ میں جل
ایک آئینۂ قدرت تھا سمندر محمود
جس کے ہر جوہر تابندہ میں تھا حسن ازل

ساون

وہ نغمے بلبلوں کے، کوک کوئل کی گھٹاؤں میں
پپیہوں کے ترانے بزم قدرت کی فضاؤں میں
چمن سازی کے وہ ساماں موروں کی قباؤں میں
کبھی ہندوستاں میں بھی طرب انگیز تھا ساون
سرور افزا و نکہت بیز و گوہر ریز تھا ساون

وہ رم جھم ہلکی بوندوں کی وہ رونق مہ جبینوں کی
چمک اٹھتی نہ کیوں قسمت گلستاں کے حسینوں کی
کہ مہریں ٹوٹتی تھیں حسن قدرت کے دفینوں کی
کبھی ہندوستاں میں بھی طرب انگیز تھا ساون
سرور افزا و نکہت بیز و گوہر ریز تھا ساون

تھی اودی ساڑھیوں سے بیل بوٹوں کی جھلک پیدا
ہو جیسے ابر کے دامن میں بجلی کی چمک پیدا
ہوا کرتے تھے اس موسم میں گلشن سے فلک پیدا

کبھی ہندوستاں میں بھی طرب انگیز تھا ساون
سرور افزا و نکہت بیز و گوہر ریز تھا ساون

حسینان وطن ہنستے تھے آ کر سبزہ زاروں میں
وہ کہہ جاتے تھے اپنی داستان دل اشاروں میں
بہار خلد ہو جاتی تھی شامل ان نظاروں میں
کبھی ہندوستاں میں بھی طرب انگیز تھا ساون
سرور افزا و نکہت بیز و گوہر ریز تھا ساون

پری رُو جھولتے ایسے نظر آتے تھے جھولوں میں
اُڑیں اِندر کی پریاں بیٹھ کر جیسے بگولوں میں
صبا کا تیز جھونکا جس طرح چل جائے پھولوں میں
کبھی ہندوستاں میں بھی طرب انگیز تھا ساون
سرور افزا و نکہت بیز و گوہر ریز تھا ساون

بحری پرندہ

نہ خوف برق نہ اندیشۂ خزاں تجھ کو
ملا ہے بحر کے دامن میں آشیاں تجھ کو
عطا کیا ہے وہ قدرت نے گلستاں تجھ کو
زمین جس کی ہے ہم رنگ آسماں تجھ کو

چمن کا حسن ہوا افلاک کے نظارے ہیں
سفینہ چاند ہے اس کا حباب تارے ہیں

ترے چمن کی دل آرائیوں کا کیا کہنا
ہے سطح قلزمِ اخضر کی سبزہ زار ترا
جو شاخ موج رواں ہے تو گل کفِ دریا
ثمر ہے ماہی خوش رنگ تیرے گلشن کا

نگہ کے سامنے روشن طبق ہیں شیشے کے
یہاں کے برگ نہیں ہیں ورق ہیں شیشے کے

عجیب ہے یہ چمن اور نئی ہے بُو اس کی
شمیم پھیلی ہے عالم میں چار سو اس کی

وہ دل ہی کیا کہ نہ ہو جس میں آرزو اس کی
ہو عندلیب کو بھی کاش جستجو اس کی
دبے کچھ آہ شرر بار اس کے سینے کی
اسے بھی قدر رہو آزاد رہ کے جینے کی

ہے رسم اس کے گلستاں میں جانستانی کی
نسیم صبح نے جب کی شرر فشانی کی
کسی نے رہ کے قفس میں نہ شادمانی کی
کہ حُرّیت ہی ہے تعریف زندگانی کی
نہ پھول اس کا نہ گلچیں نہ باغباں اس کا
قفس ہے اس کے لئے صحن گلستاں اس کا

سرور بخش ہو کیا اس کو رونق گلزار
وہ جانتی ہی نہیں ہے کہ کیا ہے فصل بہار
ہیں اس کو مایۂ صد ناز کچھ گل پُرخار
بہار ان کی ہے گر عارضی تو ہے بیکار
کرے وہ آ کے کبھی سیر گلستاں کی ترے
بہار دیکھے وہ گلہائے بیخزاں کی ترے

کبھی نہ نکلی ترے سینے سے کوئی فریاد
کبھی نہ آیا ترے لب پہ شکوۂ بیداد
نہ خوفِ دام یہاں اور نہ زحمتِ صیاد
تجھے بنایا ہے خالق نے مطلقاً آزاد

فلک کے جور، زمیں کے ستم تو کیا جانے
قفس کا حال، غلامی کے غم تو کیا جانے

تتلی

گلشن کا کوئی برگ یہ رقصاں صبا میں ہے
آنچل کسی عروس کا لرزاں ہوا میں ہے
یا جلوۂ تبسمِ خوباں فضا میں ہے

بزمِ جہاں کی شوخ حسینہ کہوں تجھے
انگشتریِ گل کا نگینہ کہوں تجھے
یا قلزمِ فضا کا سفینہ کہوں تجھے

اے کانِ دلکشی کے چمکتے ہوئے گہر
اے نخلِ باغِ حسن کے اک خوشنما ثمر

اے آتشِ چمن کے بھڑکتے ہوئے شرر
گردش میں تو مرقعٔ جام شراب ہے
رنگینیوں میں قوس قزح کا جواب ہے
صحنِ چمن میں شاہد گل کا شباب ہے

پرواز میں عنادل شیریں نوا کی طرح
انداز میں شگوفہ رنگیں قبا کی طرح
آواز میں ترنم باد صبا کی طرح
ہر رنگ تیرا غازۂ حسن بتاں بنا
ہر ذرہ تیرا زینتِ بزم جہاں بنا
ہر نقش دیدہ زیب سے اک گلستاں بنا

موج ہوا سے تو کبھی بگڑی کبھی بنی
بیٹھی مثال برگ، اڑی تو پری بنی
تو کھل کے گل بنی تو سمٹ کر کلی بنی

فطرت کے راز کہہ گل و غنچہ کے گوش میں
الفت کا رنگ بھر چمن گل فروش میں
بجلی کی طرح کوند فضائے خموش میں

چکور اور چاند

میں دشت میں سرگرداں   تو چرخ پہ نور افشاں!

رہ رہ کے میں تکتا ہوں
جب دیدۂ محزوں سے
تارا سا چمکتا ہے
تو گوشہ گردوں سے
پہنچے ترے کانوں تک
آواز کہاں اتنی
میں تجھ سے ملوں جا کر
پرواز کہاں اتنی

میں دشت میں سرگرداں   تو چرخ پہ نور افشاں!

تو چرخ پہ نور افشاں   میں دشت میں سرگرداں!

تو پردۂ مہجوری
جب چاہے اٹھا جائے

اک نقطہ بنے اور تو
ذرّے میں سما جائے
یا آب مصفّا میں
منھ دیکھنے آ جائے
جب چاہے غرض مجھ کو
سینے سے لگا جائے
تو چرخ پہ نور افشاں میں دشت میں سرگرداں!

کوئل

اے زینتِ بہار
اے جانِ کوہسار
اے حسنِ لالہ زار
فطرت کی رازدار
اے موسمِ بہار کے قاصد کہاں ہے تو؟
اے مطربِ چمن
گر تو ہو نغمہ زن

ہر شاخ گل بدن
چومے ترا دہن
اے موسمِ بہار کے قاصد کہاں ہے تو؟
ہر نخل جاں فزا
ہو جھومتا ہوا
ہو رقص میں صبا
سن کر تری صدا
اے موسمِ بہار کے قاصد کہاں ہے تو؟
گلشن ہے پُر فضا
غنچے ہیں لب کشا
اور چھائی ہے گھٹا
نغمہ کوئی سُنا
اے موسمِ بہار کے قاصد کہاں ہے تو؟

بیئے کا گھونسلا

(بچوں کے لئے)

اپنا بیئے نے ٹہنی پر گھونسلا بنایا
کیسا سبک بنایا کیا خوش نما بنایا

چڑیا کی طرح قد ہے رنگت ہے اسکی پیلی
موتی کی طرح آنکھیں اور چونچ ہے نُکیلی

جنگل سے چونچ میں کچھ تنکے اُٹھا کے لایا
ان سب کو اس نے چیرا پھر ایک اک جمایا

دیکھو تو کس طرح سے ان کو چُنا ہی اس نے
اور چونچ کی مدد سے کیسا بُنا ہی اُس نے

اس گھونسلے کے اندر کمرے بنائے ہیں کچھ
شاہی عمارتوں کے نقشے دکھائے ہیں کچھ

جگنو کا شام ہی سے فانوس جل رہا ہے
چھن چھن کے نور جس کا اوپر نکل رہا ہے

آرائش مکاں کی تیاریاں تو دیکھو!
ننھی سی جان کی یہ ہُشیاریاں تو دیکھو!!

اک کمرے میں بیا ہے اک میں بئے کی رانی
کس لُطف سے گذرتی ہے ان کی زندگانی

پروانہ

گئی اس فضا میں آخر ترے عشق کی بلندی
نہ جہاں مآل کا غم نہ خرد کی پائے بندی

جو ادھر ہے شمع سوزاں تو ادھر ہی تو بھی رقصاں
کہیں خوئے جاں گدازی ہے کہیں نیازمندی

تری طبع ناشکیبا سے چھپا نہ رازِ الفت
ہوئی شمع اشک افشاں بطریقِ دردمندی

کرے طور جلوے حاصل تری آتشِ نہاں سے
لوں میں درس جاں نثاری تری شوقِ بیکراں سے

مرغا

(بچوں کیلئے)

چونچ اُٹھائی بازو تولا
وہ "ککڑوکوں" مرغا بولا

صبح سویرے ہی سے جاگا
ڈربا کھلتے ہی گھر میں بھاگا

اس چوزے پر لات اُٹھائی
اس بچے پر چونچ بڑھائی

کیسا موذی کیسا نٹ کھٹ
ماری چونچ اور بھاگا جھٹ پٹ

مرغی کو کھانے نہیں دیتا
اور گھر سے جانے نہیں دیتا

ٹکڑا کوئی کہیں بھی ڈالے
کیا ممکن جو کوئی کھالے

مرغے تیرا یہ بل بوتا!
تیری غذا کوئی نہیں چھوتا

پیٹ جب اپنا بھر جاتا ہے
مرغی کو ٹکڑا دھر جاتا ہے

"کٹ کٹ" سن کر آجاتی ہے
اپنا حصہ کھا جاتی ہے

کیس کا سر پہ تاج تو دیکھو
غور سے اس کو آج تو دیکھو

رنگت کیسی سرخ ہے اس کی
جیسے ہو گلنار کی پتّی

دیدے سُرخ اور گول ہیں اسکے
یہ موتی انمول ہیں اس کے

چونچ ہے کچھ لمبی کچھ ترچھی
اور غضب کی مار ہے اس کی

سر ہے گول اور لمبی گردن   چلنے میں ہے تنتی گردن
کیسی رونق گردن پر ہے   جو پر ہے چمکیلا پر ہے
بازو کا ہر رنگ جدا ہے   ہر بوٹا قالین نما ہے
دم کے پر کچھ جڑ سے گئے ہیں   اوپر کو کچھ مڑ سے گئے ہیں
ٹانگیں ہیں کچھ نیلی نیلی   لمبی لمبی، سوکھی سوکھی
مرغی جب انڈا دیتی ہے   یا اپنے انڈے سیتی ہے
کھٹکا ہوا اور مرغا آیا
"ککڑوں کوں" کا شور مچایا

بچّے

چاند کی صورت ہیں رخسارے   یہ بچے ہیں یا مہ پارے
گھر کی رونق - آنکھ کے تارے

چھوٹے چھوٹے - کالے - کالے   پیشانی پر گیسو ڈالے
ہرنی کی سی آنکھوں والے
یہ بچے ہیں یا مہ پارے

رنگ شفق کا لب پر غازہ چہرہ جیسے پھول ہو تازہ
کون کرے اب یہ اندازہ
یہ بچے ہیں یا مہ پارے

ہنستی کھیلتی زندہ مورت کچھ "کیوپڈ"[۱] انسان کی صورت
گہوارے ہیں جن کے پربت
گھر کی رونق آنکھ کے تارے
یہ بچے ہیں یا مہ پارے

[۱] محبت کا فرشتہ۔

اُردُو

امام الشعراء ولی دکھنی

نغمۂ اردو ابھی تھا ساز کے پردوں میں گم
ارمغان شعر کے ٹوٹے ہوئے تھے جام و خم
محفل علم ادب میں ایک ویرانی سی تھی
گیسوئے معنی سے پیدا کچھ پریشانی سی تھی

قلب میں جذبات تھے طرز بیاں کوئی نہ تھی
تھی دہن ہی میں زباں، دل کی زباں کوئی نہ تھی

برج بھاشا کا نہ تھا ایک شبدہ بھی سُلجھا ہوا
صورتِ تحریر جو مضمون تھا وہ الجھا ہوا

مان لیجے اس کے شاہد دہر میں معصوم تھے
زیورِ شائستگی سے سب مگر محروم تھے

شوکت الفاظ کی ہونٹوں پہ رنگینی نہ تھی
بولی میں الھڑ پنا تھا کوئی شیرینی نہ تھی

دیدۂ تخیل سے پنہاں تھا ندرت کا جمال
عشق کو مطلق نہ تھا آدابِ محفل کا خیال

صنف نازک بولتی تھی عاشقوں کے بھیس میں
عاشقی کی یہ انوکھی ریت تھی اس دیس میں

گرچہ یہ عریانیِ جذبات وجہ ننگ تھی
لیکن احساساتِ انسانی کی دنیا تنگ تھی

فارسی کا غنچہ بھی زیبِ چمن یوں ہی سا تھا
اس میں خوشبو تھی مگر رنگِ وطن یوں ہی سا تھا

نظم کی کیاری میں اردو کی کلی پھوٹی نہ تھی
دوسری بھاشائیں تھیں ایسی کوئی بوٹی نہ تھی

موسمِ گل کا کوئی منظر کہاں آنکھوں میں تھا
اس گلستاں میں خزاں ہی کا سماں آنکھوں میں تھا

نخلِ اُردو کو اُگانے کے لئے مالی نہ تھا
اور یہ پروان کیا چڑھتا کوئی والی نہ تھا
اس کی زیبائی سے گلزارِ سخن محروم تھا
یعنی ذوقِ شعر سے اب تک وطن محروم تھا
اے خوشا قسمت کہ دکھن سے ولی پیدا ہوا
اس نے بویا اس کو اور خود اس پہ وہ شیدا ہوا
اس کو سیراب اپنے خونِ دل سے وہ کرتا رہا
اس کی رگ رگ میں عجب رنگینیاں بھرتا رہا

اے ولیؔ اے شعرِ اردوئے معلیٰ کے امام
سیکڑوں کیا تیری روحِ پاک پر لاکھوں سلام
تو ہے میرِ کارواں گردِ رہِ منزل ہیں ہم
تو ہے بحرِ بیکراں موجِ لبِ ساحل ہیں ہم

تو شہنشاہِ سخن اور بندۂ ناچیز ہم
کشورِ شعر و سخن کا تیرے ہاتھوں میں علم

شاعرانِ ہند کی جانب سے اب آیا ہوں میں
گُل عقیدت کے تری سرکار میں لایا ہوں میں

زبانِ اُردُو

صورتیں اور بھی دنیا میں ہیں گویائی کی — شان ہے اور ہی اُردو تری رعنائی کی
دہر میں دھوم مچی ہے تری یکتائی کی — حُسن بندش کی، نزاکت کی، دل آرائی کی
تیرے انداز نرالے تری گھاتیں پیاری
تیرے مضمون انوکھے تری باتیں پیاری

زینت نطق ہے یہ حُسنِ لطافت تیرا — چشمۂ فیض ہے انداز سلاست تیرا
چرخ اقلیم سخن اوج بلاغت تیرا — فرحت روح ہے گلزار فصاحت تیرا
یہ تری طرز ادا یہ تری شیریں گفتار
تو ہی کہہ کون ہے جو تجھ پہ نہ ہو جائے نثار

جو ملا تجھ سے وہ تفریق جہاں بھول گیا — قومیت بھول گیا، نام و نشاں بھول گیا
صوبہ و ملک کجا اپنا مکاں بھول گیا — مختصر یہ ہے کہ خود اپنی زباں بھول گیا
جملہ اقوام کو آپس میں ملایا تو نے
آ کے دنیا میں یہ اعجاز دکھایا تو نے

میخانۂ اُردو کا ساقی

وہ مطرب ہے نہ گلشن ہے نہ مینا ہے نہ ساقی ہے
مگر اُجڑے ہوئے میخانے کی بُنیاد باقی ہے

خُمِ صہبا تھے جن پر وہ شکستہ سنگ ہیں اب تک
بہارِ گلستاں کے جن سے پیدا رنگ ہیں اب تک

شکستہ جام کے ٹکڑے نگینے بن کے چمکے ہیں
مدّور ٹھیکرے خم کے دفینے بن کے چمکے ہیں

رسائی بوئے صہبا کی فضائے آسماں تک ہے
مہک جس کی فلک سے دامنِ کرّوبیاں تک ہے

شگوفے اپنا رنگیں جام اسی خوشبو سے بھرتے ہیں
اسی پر موسمِ گل میں گلستاں ناز کرتے ہیں

ترے دم سے کبھی آباد تھا اُردو کا میخانہ
مگر اب میرؔ تو باقی نہ باقی تیرا کاشانہ

شرابِ شعر جب تیرے سبوئے دل سے ڈھلتی تھی
لبِ معجز نما سے کیف کی دنیا نکلتی تھی

ترے جذبات رنگیں ہی سے زینت ہے گلستاں کو
تری آہوں نے پیکاں کر دیا خارِ بیاباں کو
تو وہ نقاشِ فطرت تھا کہ کھینچی شکل غم تو نے
اور اہلِ دل کو بخشی لذتِ جور و ستم تو نے
شرابِ درد سے لبریز ہے تیرا کلام اب تک
نہیں تو بزم میں چلتا ہے لیکن تیرا جام اب تک

عاشقانہ

میری جبیں میں اُس صنم کے آستاں کا عکس ہے
جس کی جگر میں سنگ کے شکل ابھی بنی نہیں

فلسفۂ محبت

(انگریزی نظم سے ماخوذ)

چشمۂ شیریں ہوا دریا سے جاکر ہم کنار
اور دریا جستجوئے بحر میں ہے بے قرار
غنچہ وگل سے نسیم صبح خود آکر ملی
پھول کی نکہت نسیم صبح سے جاکر ملی
جس کو دیکھو اپنے دلبر سے وہ ہم آغوش ہے
آہ پھر محبوب میرا مجھ سے کیوں روپوش ہے

ساحلِ دریا سے پھر موجیں جبیں ملنے لگیں
آہ پھر الفت کی شمشیریں بہم چلنے لگیں
مہر نے بھیجی فلک سے پھر شعاؤں کی لڑی
کوہ کی چوٹی میں موباف زری ہو کر پڑی
پھر زمیں پر جلوہ ہائے آسماں پڑنے لگے
مہر کے انوار ذرّوں پر نگیں جڑنے لگے
ماہ کی تنویر نے پھر بحر کے بوسے لئے
بہر گوہر پھر صدف ہے اپنا منھ کھولے ہوئے
غنچہ و گل مسکرائے ٹہنیاں ہلنے لگیں
پتیاں گلشن میں جھک جھک کر گلے ملنے لگیں
آہ! میں فرقت زدہ کیوں موردِ آلام ہوں
اور ابھی تک آرزوئے وصل میں ناکام ہوں

داستانِ حسن و عشق

ہم ہی نہیں تھے مردِ عشق　　نکلی کٹھن نبردِ عشق
جس نے دیا یہ دردِ عشق　　اس کا خدا بھلا کرے

حُسن کو ہو جو ناز ہے　　عشق بھی بے نیاز ہے
دہر میں سرفراز ہے　　کیوں یہ پھر التجا کرے؟

یہ بھی عجیب بات ہے　　حسن ہی کائنات ہے!
قابلِ التفات ہے　　خیر جو ہے ہوا کرے

حُسن ہے مہر جلوہ گر　　صبح ادھر ہے شام اُدھر
عشق کا ایک مستقر　　پھر وہ نہ کیوں وفا کرے؟

حُسن کرشمہ زا سہی　　اور وہ دل رُبا سہی
اس کی ادا قضا سہی　　عشق نہ ہو تو کیا کرے؟

جس کے ہو دل میں شوقِ عشق　　جو ہو اسیرِ طوقِ عشق
اور ہو جس کو ذوقِ عشق　　درد کی کیوں دوا کرے؟

ساحل بحر روم پر دوشیزہ

ہے بحر روم گلگوں رنگینیِ شفق سے
سونا پگھل رہا ہے خورشید کے طبق سے

جلوے نکل رہے ہیں ہر موج تُند خو سے
تیغیں چمک رہی ہیں بھیگی ہوئی لہو سے

دوشیزۂ عرب ہیں یوں بحر کے کنارے
جس طرح چرخ پر ہوں تابندہ کچھ ستارے

اک رشکِ ماہ بھی ہے انجم کے درمیاں میں
آئی ہے جس سے رونق اس بحرِ بیکراں میں

ذرے نہیں درخشاں یہ بحر کے کنارے
یوں کہیے اسکے رخ پر تابندہ ہیں ستارے

اس مہ جبیں کا چہرہ ہی نور کا طبق ہے
اور اس کے دست رنگیں میں سرخیٔ شفق ہے

اس مست ناز ہی کی ہر چشم فتنہ جُو سے
نکلے جو تیر ڈوبے عشاق کے لہو سے

پانی میں گورے گورے بازو لچک لچک کر
خنجر سا مارتے ہیں دل پر چمک چمک کر

نازک طلائی ہیکل جو زینتِ گلو ہے
عکس اس کا دیکھنے کی پانی میں آرزو ہے

ہوتے ہیں سانپ پیدا زلف سیہ کی لٹ سے
ڈر ڈر کے پھیر لیتی ہے اپنے منہ کو جھٹ سے

چلّو میں بھر کے پانی کو آئینہ بنانا
منہ اپنا دیکھ لینا کچھ کہہ کے مُسکرانا

شوخی دکھا دکھا کر پانی اُچھالتی ہے
موتی بنا بنا کر قلزم میں ڈالتی ہے

یہ مست ناز ساحل پر مسکرا رہی ہے
یا بحر نیلگوں میں بجلی گرا رہی ہے

اُنگلی سے بلبلوں کو پانی میں توڑتی ہے
یوں کہیئے آبلوں کو سینے کے پھوڑتی ہے

جب پنجۂ حنائی کا شانہ ڈالتی ہے　　گیسو کی طرح موجوں کے بل نکالتی ہے
قلزم کو کر رہی ہے صحنِ چمن پہ محمول
سمجھی ہوا اپنے عکسِ رخ کو گلاب کا پھول

ساقی نامہ

(۱)

دلنواز ساقیا　　جاں طراز ساقیا
مستِ ناز ساقیا　　بے نیاز ساقیا
کارساز ساقیا　　پاکباز ساقیا
دردِ دل مٹائے جا
سوزِ غم بجھائے جا
خم پہ خم لنڈھائے جا　　دل نواز ساقیا

(۲)

تیرا روئے بے نقاب　　ماہتاب ساقیا
تیرا ساغرِ شراب　　آفتاب ساقیا
گیسوؤں کی آب و تاب　　لاجواب ساقیا

حسنِ رخ دکھائے جا

اور مے پلائے جا

خم پہ خم لنڈھائے جا دل نواز ساقیا

(۳)

تیری چشم میں اگر میکدے کا کیف ہے

تیری پرسش نظر خود حریفِ سیف ہے

جو ہو اس سے بے خبر اس نظر پہ حیف ہے

تیوریاں چڑھائے جا

برچھیاں چلائے جا

خم پہ خم لنڈھائے جا دل نواز ساقیا

(۴)

تیری جامہ زیبیاں زینتِ شباب ہیں

تیری عطر بیزیاں رو کشِ گلاب ہیں

تیری نغمہ ریزیاں نازشِ رباب ہیں

چنگ ہی بجائے جا

زمزمے سنائے جا

خم پہ خم لنڈھائے جا   دل نواز ساقیا

(۵)

تیری قامت دراز   سرو نور پیرہن
تیری چشمِ نیم باز   عین نرگسِ چمن
اور ہر ادائے ناز   تقویٰ و توبہ شکن
بتکدے گرائے جا
دل میں تو سمائے جا
خم پہ خم لُنڈھائے جا   دل نواز ساقیا

(۶)

گر ترے ایہام میں   رمز بود و ہست ہے
کیف ہے خرام میں   ذرّہ ذرّہ مست ہے
کیا یہ تیرے جام میں   بادۂ الست ہے
مست ہی بنائے جا
بیخودی بڑھائے جا
خم پہ خم لنڈھائے جا   دل نواز ساقیا

(۷)

تیرا حسنِ دل ستاں گلستان دلبری
خامشی سے ہے عیاں اک زبان دلبری
تیرے جور میں نہاں ایک شان دلبری
شوخیاں دکھائے جا
اور دل چرائے جا
خم پہ خم لنڈھائے جا دل نواز ساقیا

(۸)

اپنے دستِ ناز سے جام زرنگار دے
چشم جاں نواز سے لذّتِ خمار دے
قامت دراز سے رونقِ بہار دے
گل پہ گل کھلائے جا
گل کدے سجائے جا
خم پہ خم لنڈھائے جا دل نواز ساقیا

(۹)

خُم بدوش گل ہیں آج چرخ پر سحاب ہے

مے کے قطرے گل ہیں آج   بارش شراب ہے
شیشے موج مل ہیں آج   اور سبو حباب ہے
مے یونہی بہائے جا
اور مسکرائے جا
خم پہ خم لنڈھائے جا   دل نواز ساقیا

تصویرِ حیرت

(آئینہ میں ایک سفید بال دیکھ کر)

یہ آئینہ کے مقابل ہے کون جلوہ فروش؟
قیامت آفریں، ابرو کشیدہ، زلف بدوش!

نگاہِ مست سے پیدا ہے شکلِ حیرانی
لٹیں ہیں زلف کی مجموعۂ پریشانی

وفورِ فکر سے ٹھنڈا ہے شعلۂ رخسار
لبوں پہ برق تبسم، نہ گرمیٔ گفتار!

شباب کی نہ اُمنگیں، نہ شوخیوں کا خیال
نقاب زلف میں تکنے لگی مآل جمال

ہلال پر شب تاریک میں نظر ڈالی؟
قبائے ناز جو یوں اپنی چاک کر ڈالی!
فنا کا دام کشادہ ہوا اسیری کو؟
یہ اس لئے دیکھ لیا کیا کمان پیری کو؟
مقابل اس کا جو رخسار بے مثال آیا
نہ تاب دید رہی، آئینے میں بال آیا؟
یہ آئینے میں اجل کی چمک گئی شمشیر
جو بن گئی ہے یہ حیرت کی بولتی تصویر؟
نہیں نہیں! یہ بلندی تھی فکر شاعر کی
کہ ایک بات کئی صورتوں سے ظاہر کی
یہ واقعہ ہے کہ پیش نظر تھا آئینہ
جو اس کے حسن سے تھا دل کشی کا گنجینہ
پڑی جو اس کی نظر گیسوئے معنبر پر
سفید بال کا نظّارہ کر گیا مضطر
دل حزیں میں جوانی کے ولولے نہ رہے
وہ دام زلف بچھانے کے حوصلے نہ رہے

زوالِ حسن سے مبہوت ہو کے بیٹھی ہے
جوانی ہی میں جوانی کو رو کے بیٹھی ہے

تصوّرِ یار

ریاضِ چرخ سے قوسِ قزح کو توڑا ہے
بہارِ خلد سے حُسنِ ازل نچوڑا ہے
چراغ طور کو کچھ ٹمٹماتا چھوڑا ہے
جمالِ یار کے منظر دکھا رہا ہوں میں

کبھی ہے آئینہ ماہتاب پیشِ نظر
کبھی ہے حسن رخِ آفتاب پیش نظر
کبھی ہے گل کدہ لاجواب پیشِ نظر
رخِ نگار سے پردے اٹھا رہا ہوں میں

مژہ سے پہلے میں نقش و نگار تو کر لوں
وفا کا رنگ بھروں پائدار تو کر لوں
میں چشم شوق کو اس پر نثار تو کر لوں
شبیہہ یار تو دل میں جما رہا ہوں میں

وہ بزمِ دل میں ذرا دیر تو ٹھہر جاتے
خیال ہی کی طرح آتے اور گزر جاتے
وہ میری حسرتِ مردہ تو زندہ کر جاتے
کہ پھر چراغِ محبت جلا رہا ہوں میں

فلک کے جورِ جہاں کے عتاب دیکھ چکا
میں غم پرست قیامت کا خواب دیکھ چکا
وہاں کا رنگ عذاب و ثواب دیکھ چکا
اب ان کو چھیڑ کے فتنے جگا رہا ہوں میں

بہارِ خُلد کی آتش کو سرد کرنا ہے
جمالِ حُور کے غازے کو گرد کرنا ہے
انھیں کو جملہ حسینوں میں فرد کرنا ہے
زمیں پہ چھوٹی سی جنت بنا رہا ہوں میں

عہدِ رفتہ کی یاد

گُل کی آشفتہ سری کو نہیں بھولا ہوں ابھی
حسن کی جلوہ گری کو نہیں بھولا ہوں ابھی
اپنی اس بے خبری کو نہیں بھولا ہوں ابھی
کچھ نہ کچھ سر میں محبت کا جنوں ہے ابتک

چشم الفت نہ رہی، ذوق نظر بھی نہ رہا
سوزِ دل بھی نہ رہا، دردِ جگر بھی نہ رہا
نالہ کیا نالے کا مشتاق اثر بھی نہ رہا
ٹیس سی پھر یہ مرے سینے میں کیوں ہے ابتک؟

حُسنِ گُل زار کو مٹی میں ملا دیکھا ہے
مہر کو چادرِ ظلمت میں چھپا دیکھا ہے
چہرۂ ماہ کو محرومِ ضیا دیکھا ہے
حُسن بیمثل ہے ان کا کہ فزوں ہے ابتک

بزمِ گردوں پہ کوئی جلوہ عیاں دیکھا تھا؟
مشتری کو وہاں کیا رقص کناں دیکھا تھا؟

تم نے ان شوخ نگاہوں سے کہاں دیکھا تھا؟
تارے سکتے میں ہیں اور چرخ نگوں ہے ابتک

لب غنچہ میں صبا نے جسے پھونکا تھا کبھی
گوش الفت میں وفا نے جسے پھونکا تھا کبھی
جسم آدم میں خدا نے جسے پھونکا تھا کبھی
میرے کانوں میں وہ جاں بخش فسوں ہے ابتک

رنگ بیداد کہیں آہ، نہاں ہوتا ہے؟
آہی جاتا ہے وہ نظروں میں جہاں ہوتا ہے
سات پردوں سے بھی چھن چھن کے عیاں ہوتا ہے
چرخ کو دیکھ کہ آلودۂ خوں ہے اب تک

ٹھوکریں بخت کی ٹلتی ہیں سنبھلنے سے کہیں
چرخ رکتا ہے نئی چال کے چلنے سے کہیں
فطرت دہر بدلتی ہے بدلنے سے کہیں
جیسے پہلے تھا وہی حال زبوں ہے ابتک

محرومِ دید

تمھارے پھول سے چہرے کو حور و غلماں نے
شفق کے گلکدے سے صبح و شام دیکھا ہے

تمھاری موہنی آنکھوں کی سحر کاری کو
نگاہ برق نے باالالتزام دیکھا ہے

زبانِ شانہ سے پوچھو کہ اُس نے بھی اکثر
تمھارے گیسوئے پیچاں کا دام دیکھا ہے

تمھارے باغ کے پھولوں کی پتیوں نے بھی
تمھاری سرخیٔ لب کو مدام دیکھا ہے

تمھاری طرزِ تبسم کو جگنوؤں نے بھی
فضا میں دیکھا ہے اور لاکلام دیکھا ہے

شریر چاند کی کرنوں نے تم کو چھیڑا ہے
جو گورے ہاتھوں میں شفاف جام دیکھا ہے

اٹھے ہو سو کے تو مشرق سے مہرِ خاور نے
بوقتِ صبح رخِ لالہ فام دیکھا ہے

گئے ہو پچھلے پہر کو جو چاندنی میں تم
تو بزمِ ماہ نے محوِ خرام دیکھا ہے

چمن کی سیر کو نکلے ہو تو صبا نے تمھیں
گلوں کی شاخ کا لیتے سلام دیکھا ہے

ہلالِ عید نے بھی تم کو سال میں دو بار
لباسِ شوخ میں بالائے بام دیکھا ہے

گئے ہو آئینہ خانہ میں جب سنورنے کو
تو اس نے حسن تمھارا اتمام دیکھا ہے

تمھارا حُسن بہر طور بے نقاب رہا
غضب ہے مجھ ہی سے ابتک تمھیں حجاب رہا

سراپا

یہ مکمل سراپا ایک دوست کے اصرار پر فکر کیا تھا اب چند مخصوص اشعار حذف کر کے چند احباب کے اصرار پر اسے شایع کیا جا رہا ہے کیونکہ ان کے خیال میں اس میں کچھ شاعرانہ آرٹ ہے اور عجیب و غریب استعارات و تشبیہات سے کام لیا گیا ہے ورنہ میں جنسی نفسیات کی تحلیل کو پسند نہیں کرتا اور حتی الامکان اپنی شاعری کو اس سے بچایا ہے۔

میں نے اک ماہ جبیں کل لب ساحل دیکھی
زلفیں موجوں کی طرح دوش پہ لہرائے ہوئے

زلف مشکیں سے گزرتی ہوئی پتلی سی مانگ
بحر ظلمات میں تنویر سی چمکائے ہوئے

کان یوں زلفوں میں جس طرح ہوں موجوں میں صدف
جن میں آویزہ گلگوں تھی وہ لٹکائے ہوئے

مشک بو زلفوں میں پیشانی نظر آتی تھی
زیر محراب اک آئینہ سا جھلکائے ہوئے

چہرہ پر بینی و ابرو تھے کہ اک بلبل تھی
پھول پر اپنے پر و بال کو پھیلائے ہوئے

آنکھیں رنگین صدف جن میں دُرِ اسود تھے
یا کمانیں تھیں وہ دو گولیاں برمائے ہوئے

جام گل رنگ میں ڈوبے ہوئے ڈُدفا سے تھے
لالے کے دیدہ بیدار کو شرمائے، ہوئے

خال انگشتری حسن کا انمول نگیں
سنگِ اسود کی سی کعبے میں جگہ پائے ہوئے

اس کا چھوٹا سا دہن، اور وہ دنداں کی چمک
جیسے اک غنچہ ہو ہیروں کی کنی کھائے ہوئے

لب اعجاز نما لعل کے ترشے ہوئے نگ
جن سے اوراقِ گلِ سرخ تھے شرمائے ہوئے
مور کی طرح لچکتی ہوئی نازک گردن
اپنی تزئین و دل آرائی پہ اترائے ہوئے
نرم ریشم کی طرح اس کی وہ سیمیں باہیں
ان کو شاخ گل تر کی طرح پھیلائے ہوئے
دست نازک میں وہ انگشت حنائی کی پھبن
مہر سے جیسے شعاعیں ہوں نمو پائے ہوئے
اور وہ اس کی سر انگشت میں ناخن کی چمک
ماہِ نو جیسے ہو کچھ رنگ شفق لائے ہوئے
پنڈلیاں ایسی حسیں جیسے ستونِ بلّور
موج نازک کی طرح پیچ میں بل کھائے ہوئے
اَدھ کھلے سُرخ کنول کی طرح اس شوخ کے پاؤں
اپنی رنگت افق شام پہ چھڑکائے ہوئے
چمنستاں سا وہ محمودؔ نظر آتا تھا
جس جگہ چلتی تھی ساحل پہ وہ اٹھلائے ہوئے

خندۂ زیبا

(مختلف مطلعے)

اوصاف لکھنے بیٹھا ہوں وندان یار کے
رکھے ہیں گل کے جام میں دانے انار کے

کھلے وندان ہنسی ان کے لبوں پر بار بار آئی
شفق میں برق چمکی، باغ خوبی میں بہار آئی

ہنسنے نے کیا بہار دکھائی عتاب میں
کھلتے ہیں جیسے پھول جوہی کے گلاب میں

کوئی ہنسنے میں ان کا سا کرے گا کیا دہن پیدا
ہوئے ہیں زیر لالہ غنچہ ہائے یاسمن پیدا

عرق کی بوندیں نہیں جبیں پر یہ آئینوں میں جمال چمکا
لبوں پر ان کے تبسم آیا کہ یہ شفق میں ہلال چمکا؟

چرخ گلگوں پہ ستاروں کی ضیا دیکھی ہے
ان کے ہنسنے میں بہار اس سے سوا دیکھی ہے

جنبش میں ان کے لب ہیں دنداں جھلک رہے ہیں
یا گل کی پتیوں میں جگنو چمک رہے ہیں؟

یہ ہنسنے میں ہونٹ ہل رہے ہیں؟
یا غنچے میں پھول کھِل رہے ہیں؟

ہنسی کو دیکھ کے بجلی بھی جل گئی ہوگی
نگاہ ناز سے بچ کر نکل گئی ہوگی

چشم خوباں

(مختلف اشعار)

تری چشم فسوں پرور کی جنبش حیرت افزا ہے
یہ کیسا پھول ہے جو غنچہ بن جاتا ہے رہ رہ کر؟

آنکھوں میں نہیں یہ حسن لیلیٰ
آئینوں میں عکسِ خال پھیلا

چہرے پہ جلوہ گر ہیں یوں دیدہ ہائے دلکش
دو تتلیاں ہوں جیسے پھولوں کی پنکھڑی پر

گل یہ نازک بھی آب دار بھی ہیں
ارد گرد ان کے تیز خار بھی ہیں

ہوئی آنکھوں کی خوبی نقش دل کے آبگینے پر
عجب جوہر جڑے ہیں سنگ مرمر کے نگینے پر

دیدۂ یار تصور میں ڈراتے ہیں مجھے
بحر ظلمات میں شعلے نظر آتے ہیں مجھے

تکتے ہیں ہم ان آنکھوں کو گھنٹوں کھڑے ہوئے
تیر اتنے دو کمانوں کے اوپر جڑے ہوئے!

قصیدہ

در تہنیت غسل صحت عزیزہ سلطانہ بیگم صاحبہ طول عمرہٗ بنت مخدومہ و محترمہ
علیا خدیجہ شفیع طیب جی صاحبہ مدظلہا، جے پی، ایم ایل اے بمبئی

روکش جلوۂ ایمن ہے فضائے گلزار
زرد پھولوں نے دکھائی ہے چراغاں کی بہار

یوں روش پر نظر آتے ہیں چنبیلی کے پھول
چرخ پر جیسے فروزاں ہو ستاروں کی قطار

آب کی سطح سیمیں پہ شگفتہ ہیں کنول
فرش بلّور پہ جیسے ہوں درخشاں اقمار

اپنی مٹھی میں شگوفوں نے چھپا رکھی ہے
نکہت عنبر و عود اور بوئے مشک تتار

قطرۂ شبنم تاباں نے وہ بینائی دی
کہ نظر آتے نہیں دیدۂ نرگس بیمار

خاتمِ گل پہ نگینہ سا بنا بیٹھا ہے
شاخِ گلزار کا بھونرے نے بڑھایا ہی وقار

ورقِ گل کی طرح تتلیاں جب اُڑنے لگیں
کہکشاں کی طرح فوارے نے برسائی پھوار

بلبلے دیکھتے ہیں اُٹھ کے، بھنور وجد میں ہیں
تارِ امواج سے دریا نے بجایا ہے ستار

صحنِ گلشن میں صبا رقص کئے جاتی ہے
اور منقارِ عنادل پہ ترانے ہیں ہزار

دن کو گر قوسِ قزح کرتی ہے تزئینِ فلک
رات کو چھوڑتے ہیں کرمکِ شب تاب انار

جام چھلکا کے سرِ بزم یہ ساقی نے کہا
آج یوں گلشنِ بے خار بتائیں میخوار

غسلِ صحت کی خوشی کس کی ہی عالم میں کہ آج
ابرِ گل ریز کے سائے میں نہائے اشجار

اتنی یہ دولتِ زر کس پہ نچھاور ہوئی آج
خاکِ گلشن پہ ہوئے غنچہ و گل بھی زردار

میں اسی فکر میں غلطاں تھا کہ ہاتف نے کہا
جشنِ سلطانہ کی صحت کا ہی دیکھ اس کی بہار

رشکِ فردوسِ بریں بن گئے ہیں دشت و جبل
ہمسرِ چرخ ہوا قلزمِ ناپیدا کنار

یہ وہی عابدہ ہی جس کے موئے گیسو میں
کرتے رہتے ہیں ملک دانۂ تسبیح شمار

یہ وہی زاہدہ ہے جس کے سرِ دامن کو
کیا عجب ہے کہ ملے پردۂ کعبہ کا وقار

یہ وہ خوش خلق ہے جس کا دہن پاک کبھی
جو ہوا وا تو ہوا مثلِ صدف گوہر بار

یہ وہ سرچشمۂ الطاف و کرم ہے جس پر
آج نادار و یتیم و غربا کا ہے مدار

یہ وہ خوش بخت ہی جو نورِ نظر ہے اس کی
مدح میں جس کی سناتا ہوں میں مطلع دوچار

اے خدیجہ مری ممدوحۂ خجستہ اطوار
مایۂ فخر و مباہات ہیں ترے کردار

تو نے اس عہدِ ضعیفی میں لیا قوم کا بار
ترے اس حوصلے پر عزمِ جواناں ہے نثار

مہرتاباں ترے کاشانہ کا مشعل بردار
مرغِ سدرہ تری تخئیل کا ادنیٰ سا شکار

مہر و مہ ہیں ترے اخلاص کے آئینہ دار
بخت و اقبال ترے آٹھوں پہر خدمت گار

کیا عجب ہے کہ وہ بن جائیں شعاعِ مہتاب
ترے فانوسِ شبستاں سے جو نکلیں انوار

کیا تعجب نئے عالم کے وہ افلاک بنیں
کفشِ پا سے جو سرِ راہ اٹھیں گرد و غبار

مجھ کو ڈر ہے کہ تری بزم کی قالین کے پھول
چرخ پر گرد نہ کردیں کہیں انجم کا نکھار

مجھ کو یہ ڈر ہے کہ دریا نہ کہیں رک جائیں
تیری فیاضیوں کی دیکھ کے بڑھتی رفتار

زخمِ کلفت پہ تری چشم لگائے مرہم
غنچۂ دل کو کھلائے تری شیریں گفتار

تری ہستی چمنِ حلم کی دلکش تصویر
تیرا دل علم کے ہر شعبہ میں بحرِ ذخّار

سخت حیراں ہوں کہ ممدوحہ کی کیا وصف لکھوں
مدح کے واسطے قرطاسِ فلک ہی درکار

اس قصیدے کو ان اشعار پہ میں ختم کروں
میری مخدومہ، مری محسنہ میری غم خوار

اپنی دختر کی شفا تجھ کو مبارک ہو اور
وہ تری سایہ ہی میں پھولے پھلے لیل و نہار

خضر کی عمر عطا ہو اسے بلقیس کی شان
دیکھے تو لاکھوں برس اس گل خوبی کی بہار

روزِ عید

فلک نے نکھاری ہے سورج کی رنگت
پرندوں کی بیٹھی ہے گلشن میں سنگت
ہر اک راگ میں اُن کے سُر۔ تان اور گت
زبان پر ہے سب کی "مبارک سلامت"

صبا کنجِ گلشن میں جب گھومتی ہے
وہ رہ رہ کے پھولوں کا منہ چومتی ہے
ہر اک شاخِ گل وجد میں جھومتی ہے
زباں پر ہے سب کی "مبارک سلامت"

سنوارے ہیں سُنبل نے گیسوئے پیچاں
سجایا ہے پھولوں نے شبنم سے داماں
نکالے ہیں سبزے نے مخمل کے ساماں
زباں پر ہے سب کی "مبارک سلامت"

اُٹھا بچہ ہنستا ہوا منھ اندھیرے
کہا "امّی جاں بدلو تم کپڑے میرے"
لگاتے ہیں بچے محلّوں میں پھیرے
چلے عیدگہ کو مسلماں سویرے
زباں پر ہے سب کی "مبارک سلامت"

تشطیریں اور خمسے

تشطیریں

تشطیر شاعری کی وہ صنف ہے جس میں اصل شعر کے درمیان مصرعے لگائے جاتے اور اسکا ہر مصرعہ ایک مکمل شعر بنا دیا جاتا ہے۔ گویا شعر کے مصرعہ اولیٰ و مصرعہ ثانی میں گرہ لگائی جاتی ہیں۔ عربی شاعری میں تشطیروں کا عام رواج ہے اردو شاعری میں یہ دل پذیر اضافہ ہے پہلے حضرت محسنؔ کاکوروی کے لاجواب نعتیہ قصیدے کی تشطیر تبرکاً پیش کی جاتی ہے۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

جام پُر مے کی طرح اپنا لنڈھاتا چھاگل

شعلہ رو گوپیوں کی پیاس بجھانے کے لئے

برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

گھر میں اشنان کریں سروِ قدان گوکل
ہار ہو جائے گلے کا نہ دھنک کی ہیکل
تار باراں نے عجب جال پرو رکھا ہے
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ امل

جانبِ قبلہ ہوئی ہے یورشِ ابرِ سیاہ
چلے آتے ہیں وہ لشکر کی طرح دَل کے دَل
ظلمتِ کفر میں چھپ جائے نہ پھر عارضِ حق
کہیں پھر کعبہ پہ قبضہ نہ کریں لات وہُبل

کبھی ڈوبی کبھی اُچھلی مہِ نو کی کشتی
آسماں پر کبھی چھایا کبھی سمٹا بادل
تارے بدلی میں ہیں یوں جیسے تہ آب حباب
بحرِ اخضر میں تلاطم سے پڑی ہے ہلچل

وہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع
لاکھ فانوس کا وہ رُخ سے اُٹھائے آنچل
ٹمٹماتے ہوئے جگنو کی تجلی کیسی
گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈے اُسے لے کر مشعل

آتشِ گل کا دھواں بام فلک تک پہنچا
یا فضائے چمنستان میں ہے کالا بادل
بزم گلزار میں تودے ہیں لالے کے چراغ
جم گیا منزل خورشید کی چھت میں کاجل

ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھُپ ہے
چرخ اخضر پہ ہیں انجم بھی نظر سے اوجھل
تار باراں کی رخ مہ سے نہیں اٹھتی نقاب
برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل

آج یہ نشو ونما کا ہے ستارا چمکا
گلبن کوکب دُردار میں لگنے لگے پھل
گلشن انجم افلاک پھلا پھولا ہے
شاخ میں کاہکشاں کی نکل آئی کونپل

دیکھتے دیکھتے بڑھ جاتی ہے گلشن کی بہار
آن کی آن میں بن جاتے ہیں پھولوں سے پھل
شجر خشک بھی گلزار نظر آتا ہے
دیدۂ نرگس شہلا کو نہ سمجھو احول

جگنو پھرتے ہیں جو گلبن میں تو آتی ہے نظر
گوشے گوشے کی فضا چرخ پُر انجم کا بدل
اپنے زر ریز قلم سے یہ بنا دیتے ہیں
مصحفِ گل کے حواشی پہ طلائی جدول
ساتھ ساتھ آتے ہیں نالوں کے جگر کے ٹکڑے
میں نے پایا ہے یہ گلزارِ محبت کا پھل
یا مرے گریۂ پیہم سے نمو پا پا کر
شجرِ آہِ رسا میں نکل آئی کونپل
صاف آمادۂ پرواز ہے شاہاں کی طرح
صید دل کے لئے ہر گیسوئے پیچاں کا بل
قبلہ رو کھینچے ہوئے اپنی کمانیں ابرُو
پر لگائے ہوئے مژگانِ صنم میں کاجل
چشمۂ مہر ہے عکسِ زرِ گل سے دریا
اور گرداب ہے ڈالے ہوئے رنگیں ہیکل
مہ کی تنویر سے ہے چادرِ سیمیں کی طرح
پرتو برق سے ہے سونے کا بجرا بادل

تپش دل کا اڑایا ہوا نقشہ بجلی

اور ستارے صدفِ چشم کے دُرِّ اسفل

شیونِ رعد مرے نالوں کی بگڑی ہوئی لَے

چشمِ پُر آب کا دھویا ہوا خاکہ بادل

جوشِ پر رحمت باری ہے چڑھاؤ خُمِ مے

صحن میخانے میں جب ابر کی چھلکے چھاگل

بادہ پیمائی کے موسم میں تو رندوں کو نہ چھیڑ

چشمک برق سے کرتا ہے اشارہ بادل

چشمِ میکش میں گلابی ہے کہ پھولا ہے گلاب؟

چشم مخمور ہے، لالہ ہے، کہ رنگین کنول؟

غنچۂ نیم شگفتہ ہے کہ مینائے شراب؟

پھول کیوڑے کا کھلا ہے کہ کھُلی ہے بوتل؟

سیر میں دشت کی مصروف ہے جو پاؤں ہے لنگ

وقفِ نظارہ ہے گلزار میں ہر کورِ ازل

نغمے کی دھن میں لگی ہیں جو زبانیں ہیں گنگ

شغل میں چاک گریباں کے ہے جو ہاتھ ہے شل

مصر والوں کو یہ ڈر ہے کہ زلیخا کے لیے
پیرہن ہی کہیں بن جائے نہ اُڑتا یا دل
وحشت انگیز ہوا مست کیے دیتی ہے
سرِبازار نہ بکنے لگے سودے کا خلل
ہے سخن گو کو نہ انشا کی نہ املا کی خبر
ایسا بے راہ ہوا اس کا دماغِ مختل
فکرِ مضمون یہ ہے قابو نہ ہے قابو میں قلم
ہو گئی نظم کی انشا و خبر سب مہمل
دل میں کچھ اور ہے اور منھ سے نکلتا ہے کچھ اور
سر میں سودائے جنوں، شیشۂ مے زیرِ بغل
جملے بے ربط ہیں جیسے کسی مجذوب کی بڑ
لفظ بے معنی ہیں اور معنی ہیں سب بے اٹکل
کتنا بے قید ہوا، کس قدر آوارہ پھرا
سمت پر یاگ گیا اور کبھی سوئے گوکل
نہ کسی گھاٹ کو چھوڑا نہ کسی تیرتھ کو
کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی استل

ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اُڑایا جو غبار

بن گیا دیدۂ حق بیں کے لئے وہ کاجل

ہوا تصویرِ معانی کا ہر اک رخ روشن

ہوگئی آئینۂ مضموں کی دو چنداں صیقل

روئے معنی ہے بہکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف

مے گلگوں میں بھی آتا ہے نظر حُسنِ ازل

چھانٹتا ہے تو جھلکتا ہوا خورشید کا جام

تاکتا ہے تو ثریا کی سُنہری بوتل

گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہاں رکھا پاؤں

طور کو راہ دکھاتی ہے جہاں کی مشعل

جذبۂ عشق اسے لے کے وہاں جا پہنچا

کہ تصوّر بھی جہاں جا نہ سکے سر کے بَل

یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں

ہر روش پر مہ و خورشید کے روشن ہیں کنول

تارِ باراں کی طرح رحمتِ باری کا نزول

خرمنِ برق تجلّی کا لقب ہے بادل

کہیں طوبیٰ کہیں کوثر کہیں فردوس بریں
اور کہیں خلد کے آراستہ ہیں شیش محل
دیدۂ حور کی صورت نگراں غنچہ و گل
کہیں بہتی ہوئی نہرِ لبن و نہرِ عسل
کہیں جبرئیل حکومت پہ کہیں اسرافیلؑ
کہیں تسنیم کے ساحل پہ فرشتوں کے دل
کہیں غلمانوں کے مسکن کہیں حوروں کے قصر
کہیں رضواں کا کہیں ساقیٔ کوثر کا عمل
گل بے رنگیٔ مطلق سے لہکتے گلزار
بوئے توحید سے مہکے ہوئے ہر شاخ کے پھل
کہیں بخشش کے خیاباں کی پھبن اور کہیں
بے نیازی کے ریاحیں سے مہکتے جنگل
باغ تنزیہ میں سرسبز نہال تشبیہ
رنگ وحدت سے جھلکتے ہوئے ہر سو جنگل
اور وہ جاں بخش بہار شجر دین حنیف
انبیا جس کی ہیں شاخیں عرفاء ہیں کونپل

گلِ خوش رنگ رسولِ مدنی عربی
گلشنِ عالمِ امکاں میں نہیں جس کا بدل
غیرتِ باغِ جناں، زینتِ دربارِ احد
زیبِ دامانِ ابد، طرّۂ دستارِ ازل

نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر
نہ کوئی اس سا جری اور نبیِّ مرسل
کوئی ہم رتبہ نہ ہم پایہ نہ ہم وصف و حریف
نہ کوئی اس کا مماثل۔ نہ مقابل۔ نہ بدل

اوجِ رفعت کا قمر، نخلِ دو عالم کا ثمر
نازشِ نوعِ بشر، واقفِ اسرارِ ازل
راہِ عرفاں کا خضر، رحمتِ حق کا پیکر
بحرِ وحدت کا گہر، چشمۂ کثرت کا کنول

مہرِ توحید کی ضو، اوجِ شرف کا مہِ نو
مردُمِ دیدۂ طور و گہرِ تاجِ ملل
مخزنِ خلقِ نکو، نورِ خدا کا پرتو
شمعِ ایجاد کی لَو، بزمِ رسالت کا کنول

مرجع روح امیں، زیب دہ عرش بریں
خلد کا صدر نشیں، دیدۂ حق کا کاجل

خاتم دل کا نگیں، سایہ طوبیٰ کا مکیں
حامی دین متیں، ناسخ ادیان و ملل

ہفت اقلیم ولایت میں شہ عالی جاہ
پردۂ ہفت فلک سے جو گیا دم میں نکل

دونوں عالم کے لئے امت عاصی کا کفیل
چار اطراف ہدایت میں نبی مرسل

منتخب نسخۂ وحدت کا یہ تھا روزِ ازل
صرف معبود حقیقی ہے خدا عزّوجل

مجھ سے ایمان کی پوچھو تو یہ ایماں ہے مرا
کہ نہ احمدؐ کا ہے ثانی نہ احد کا اوّل

شب اسریٰ میں تجلی سے رخِ انور کی
برق کا چہرہ بھی فق ہو گیا کیسا بادل

پرتوِ حسن سے تھے ارض و سما بقعۂ نور
پڑ گئی گردن رفرف میں سنہری ہیکل

سجدۂ شکر میں ہے ناصیہ سا عرش بریں
کہ ہوا وہ بھی قدم بوس نبی مرسلؐ
عرش پر پہنچا ہے اب عرش معلی کا دماغ
خاک سے پائے مقدس کی لگا کر صندل

افضلیت پہ تری مشتمل آثار و کتب
مدح خواں تیرا خداوندِ جہاں عزّ و جل
آخرت میں ترے ایما کے طلب گار رسولؐ
اوّلیت پہ تری متفق ادیان و ملل

لطف سے تیرے ہوئی شوکت ایماں محکم
گونج اُٹھا نعرہ تکبیر سے ہر دشت و جبل
خُلق سے بندۂ بیدام ہوئے شاہ و گدا
قہر سے سلطنتِ کفر ہوئی مستاصل

جس طرف ہاتھ بڑھیں کفر کے ہٹ جائیں قدم
جس طرف آنکھ اُٹھے کانپ اُٹھیں دشت و جبل
جس جگہ خم ہو جبیں کعبہ ادھر کو جھک جائے
جس جگہ پاؤں رکھے سجدہ کریں لات و ہُبل

چھوڑ کر میکدۂ ہند و صنم خانۂ برج
کُنڈ۔ استھان۔ ندی گھاٹ۔ شوالے اٹل
دانۂ قطرۂ باراں کی بنا کر تسبیح
آج کعبہ میں بچھائے ہے مصلّا بادل

اشہب چرخ کو اندھیاری لگا کر لایا
برقِ لرزاں کا لیئے ہاتھ میں کوڑا بادل
اور پھر رعد کا نقّارہ بجاتا آیا
شہہ سوارِ عربی کے لیئے کالا بادل

بحرا مکاں میں رسول عربی دُرِّ یتیم
جس کے پرتو سے ہوئی لوحِ جہاں کو صیقل
دم عیسیٰ کی طرح روح فزا موجِ نسیم
رحمت خاص خداوند تعالیٰ بادل

قبلہ اہل نظر کعبہ ابروئے حضور
سنگِ اسود سے کہیں دیدۂ انور افضل
شمع کعبہ کی طرح نور فشاں پیشانی
موئے سر قبلہ کو گھیرے ہوئے کالا بادل

رشک سے شعلہ رخسار کے روتی ہے برق
ایک پرتو ہی سے وہ جل اٹھی ہو کر بے کل
شوق دیدار تو ہے طاقت دیدار نہیں
برق کے منہ پہ ہے رکھے ہوئے پلّا بادل

آستانے کا ترے دہر میں یہ رتبہ ہے
کہ پہنچتے ہیں وہاں اہل نظر سر کے بھل
سرنگوں کیوں پئے تعظیم نہ ہو چرخ بریں
کہ جو نکلا تو جھکائے ہوئے کاندھا بادل

تیغ میدانِ شجاعت میں چمکتی بجلی
چشم سرچشمۂ الطاف کا تابندہ کنول
دہن پاک دُرِ نطق کا بہتا دریا
ہاتھ گلزار سخاوت میں برستا بادل

محسن اب کیجئے گلزار مناجات کی سیر
جس کے ہر پھول میں ہے دل کشی حسن عمل
آ کے محمود کے ساتھ آپ بھی جھولی پھیلائیں
کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھرتا بادل

مناجات

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
اور حقیقت میں ہے تیری ہی شریعت اکمل

تیری طاعت ہی میں پوشیدہ رضائے حق ہے
میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل

دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے
ہو غلامی ترے در کی مری نازش کا محل

دل میں ہو تیرا تصور ترا نقشہ، ترا عشق
صرف تیرا ہو بھروسا تری قوت ترا بل

آرزو ہے کہ ترا دھیان رہے تا دم مرگ
لب پہ جاری ہو مرے نام خدا عزّوجل

سرمۂ چشم بنے روضۂ اقدس کا غبار
شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل

روح سے میری کہیں پیار سے یوں عزرائیل
اس عناصر کے قفس سے جو تو نکلے تو نکل

اور یہ آکر کہے مجھ سے ترے کوچے کی نسیم
کہ مری جان مدینے کو جو چلنی ہے تو چل

دمِ مردن یہ اشارہ ہو شفاعت کا مری
مسکراتی ہوئی آئے مرے بالیں پہ اجل
اور مرے کان میں چپکے سے یہ کہدے آکر
فکر فردا کی نہ کر، دیکھ لیا جائے گا کل

یادِ آئینۂ رخسار سے حیرت ہو مجھے
زیرِ دامانِ کفن بھی ہو فروزاں مشعل
ذرہ ذرہ ہو ترے حسن کی ضو سے معمور
گوشۂ قبر نظر آئے مجھے شیش محل

میزباں ہو کے نکیرین کہیں گھر ہے تیرا
اب ترے عیش و سکوں میں نہیں آئے گا خلل
ہم فلک سے تری خدمت کیلئے آئے ہیں
نہ اُٹھانا کوئی تکلیف نہ ہونا بے کل

حذف ہوں میرے گناہانِ ثقیل اور خفیف
یا بہا دے انھیں رحمت کا برستا بادل

عرصۂ حشر میں بھاری رہے پلہ میرا

آئیں میزاں میں جب افعال صحیح و معتل

میری شامت سے ہو آراستہ گیسوئے سیاہ

چشمِ رحمت کا بنے ظلمتِ عصیاں کا جل

خال کی طرح بڑھے منزلتِ داغِ گناہ

عارضِ شاہدِ محشر ہو اگر حسنِ عمل

صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح

سر پہ ہو سایہ فگن تیرے کرم کا بادل

اور اس دم اسی تشطیر دل آویز کے ساتھ

ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل

کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ

جوہر طبع دکھا، لطفِ سخن کا ہے محل

اس قصیدے کی ذرا ہم بھی تو تشطیر سنیں

''سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل''

(تشطیر بر غزل حضرت میر تقیؔ میر مرحوم)

پھوڑا سا ساری رات جو پکتا رہے گا دل — تو ہم سے رازِ عشق چھپایا نہ جائے گا
ٹیسیں یونہیں اُٹھیں، جو یونہیں آگ سی لگی — تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جائے گا

اب دیکھ لو کہ سینے میں تازہ ہوا ہی چاک — پھر پسلیوں کا پردہ اٹھایا نہ جائے گا
تم بعدِ مرگ چاہو تو دیکھو ہمارا حال — پھر ہم سے اپنا حال دکھایا نہ جائے گا

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میرؔ باز آ — تجھ سے غمِ فراق اٹھایا نہ جائے گا
محمودؔ دیکھ اس کو نہ یوں بار بار دیکھ — نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

ولہ

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
ہم نے اپنے چارہ گروں کو آہ عبث بدنام کیا

ہم جو کہتے تھے وہ ہوا جب تو نے نہ مانا تھا ہمدم
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

عہدِ جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یوں جیے تو کیا خاک جیے ہاں جینے کو بدنام کیا

یادِ زلفِ سیہ میں تڑپے دھیان میں رخ کے موت آئی
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی

مرنا چاہا مر نہ سکے اور جیتے جی کیا کام کیا؟

اپنی اک تدبیر بھی تو تقدیر کے آگے چل نہ سکی

چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

یاں کے سفید و سیہ میں ہمکو دخل جو ہی تو اتنا ہے

یاد جوانی میں پیری کو بس ہدف آلام کیا

عمر کو کاٹا بند الم میں پھر بھی ظالم کٹ نہ سکی

رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا

میرؔ کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو اُننے تو

سنتے ہیں مندر میں جا کر ایک صنم کو رام کیا

دنیا چھوڑی دھونی رمائی ڈال کے کچھ زنّار کے تار

قشقہ لگایا دَیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

(تشطیر بر غزل حضرت اسد اللہ خاں غالبؔ مرحوم)

کوئی اُمید بر نہیں آتی ... قسمت اب راہ پر نہیں آتی
ان کی صورت کو دیکھئے کیونکر ... کوئی صورت نظر نہیں آتی

موت کا ایک دن معیّن ہے ... اب نہ آئے اگر نہیں آتی
دل میں پھر بیکلی یہ کیسی ہے ... نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی ... اس پہ بھی اب مگر نہیں آتی
حال دل ہی پہ کچھ نہیں موقوف ... اب کسی بات پر نہیں آتی

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد ... شیخ کی کرّ و فر نہیں آتی!
زیب تن کرتا جبہ و دستار ... پر طبیعت ادھر نہیں آتی

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں ... دل سے لب تک مگر نہیں آتی
ان کے آگے خموش بیٹھا ہوں ... ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی ... اپنی حالت نظر نہیں آتی
یوں تو دنیا کی خبریں آتی ہیں ... کچھ ہماری خبر نہیں آتی

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی ... اور یہ امید بر نہیں آتی
سانس رکتی ہے سانس چلتی ہے ... موت آتی ہے پر نہیں آتی

کعبہ کس منہ سی جاؤ گے غالب ... طبع جب زہد پر نہیں آتی!

دل میں کفر اور منہ میں بوئے شراب ... شرم تم کو مگر نہیں آتی!!

ولہ

غم دنیا سے گر فرصت بھی پائی سر اُٹھانے کی
مجھے مہلت کہاں ہے دو گھڑی آرام پانے کی
گھڑی بھر کو تجھے دل سے بھلایا بھی تو کیا ظالم
فلک کو دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

لپٹنا پرنیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے
کہ اس میں پھر بھی کچھ قوت ہی حدّت کو دبانے کی
یہ ممکن ہے کہ کاغذ شمع کا فانوس بنجائے
دلے مشکل ہی حکمت دل میں سوزِ غم چھپانے کی

اُنھیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
کہ عادی ہے کلی تیرِ صبا کے زخم کھانے کی
نگہ نیچی کیے وہ مسکراتے اپنی محفل سے
اُٹھے تھے سیر گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پہ مرنا
دل ناداں کو عادت ہے فریب حسن کھانے کی

یہی ایفائے وعدہ تھا تو اس وعدہ کو کیا کہئے
ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانے کی

لکد کوب حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی
نہ پوچھو اس پہ اُفتادیں پڑی ہیں کیا زمانے کی
اب اس سے آہ اپنا بارِ غم بھی اُٹھ نہیں سکتا
مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کے ناز اُٹھانے کی

کہوں کیا خوبیِ اوضاعِ ابنائے زماں غالب
مری قسمت کی خوبی ہے شکایت کیا زمانے کی
کسے مخلص سمجھئے یا محب باصفا کہئے
بدی کی اُس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی

تشطیر بر غزل حضرت سیّد علی محمد شادؔ مرحوم عظیم آبادی

اُٹھتی جوانی عضو مناسب سانولی رنگت ہائے ستم
طرفہ ادائیں، ترچھی نگاہیں، اس پہ نزاکت ہائے ستم
نیچی گردن، لب پہ تبسّم موہنی صورت پر گھونگٹ
آنکھیں رسیلی، باتیں بھولی چال قیامت ہائے ستم

بُعدِ مسافت، رات اندھیری، شمع نہ مشعل، میں تنہا
موسم باراں کا یہ طوفاں، اور یہ حالت ہائے ستم

کوہ کا دامن، بیڈھب رستہ، پھر یہ غضب میں آبلہ پا
ضعف سے گرنا۔ سانس کا چڑھنا شدّت وحشت ہائے ستم

تیغ کا گرنا۔ دم نہ نکلنا۔ ہاتھ جھٹکنا ۔ بانکی ادا
آنکھوں میں شوخی ۔ دل میں اُلفت۔ ظاہر انفرت ہائے ستم

نیچی نظریں۔ دانتوں میں اُنگلی ۔چہرے پہ حیرت کے آثار
وقت کی خوبی ۔میر اآڑ پنا۔ ان کی ندامت ہائے ستم

شادؔ کو جاکر میں نے بھی دیکھا کیا کہوں تجھ سی پوچھ نہ کچھ
لب پر دم اور درد کی اس پر اتنی شدّت ہائے ستم

لاکھ حدیثِ عشق چھپائی لیکن پھر بھی چھُپ نہ سکی
مُنھ کی اُداسی ۔ رنگ کی زردی ۔ضعف نقاہت ہائے ستم

تشطیر بر نظم حضرت جمیلؔ مظہری

میں سانس لیتا ہوں ہر قدم پر کہ بوجھ بھاری ہے زندگی کا
پہاڑ تھرّا گئے تھے جس سے ازل کا وہ بار اُٹھا رہا ہوں
یہ سخت منزل ہو لاکھ لیکن مرے قوا، اس سے سخت تر ہیں
ٹھہر ذرا گرم رو زمانے کہ میں ترے ساتھ آ رہا ہوں

طلسمِ فطرت بھی مسکراتا ہے میری افسوں طرازیوں پر
میں عقلِ انساں کے حیرت افزا تماشے اس کو دکھا رہا ہوں
جہاں کے حیرت کدے میں ابتک میں اپنی فکر کرشمہ زا سے
بہت سے جادو جگا چکا ہوں، بہت سے جادو جگا رہا ہوں

یہ مہرِ تاباں سے کوئی کہدے کہ اپنی کرنوں کو گن کے رکھ لے
میں بزمِ عالم کو اپنی دانش کے قمقموں سے سجا رہا ہوں
مرے وطن کی زمیں سے اب آسمان کسبِ ضیا کرے گا
میں اپنے صحرا کے ذرّے ذرّے کو خود چمکنا سکھا رہا ہوں

مرا تخیلؔ، مرے ارادے کریں گے فطرت پہ حکمرانی
اجل کے سرکش فرشتے کو بھی میں اپنے قبضے میں لا رہا ہوں

نہ یہ جہاں ہے نہ وہ جہاں ہے نہ آسماں ہے نہ لامکاں ہے
جہاں فرشتوں کے پر ہیں لرزاں میں اس بلندی پہ جا رہا ہوں

یہ ناز پروردگان ساحل ڈریں مری سعی گرم رَو سے
میں آب بحرِ خنک سے محمودؔ برق سوزاں بنا رہا ہوں
جبال مغرب کی چوٹیوں کا بنے گا موباف میرا پرچم
کہ میں سمندر کی تند موجوں کو روندتا پاس آ رہا ہوں

تشطیر بر اشعار جناب روشن دین صاحب

مجھے کیا خبر کہ کیا ہیں یہ ترے بہشت و دوزخ
نہ صنم کدے میں پہنچا نہ کبھی حرم کو دیکھا
یہ حیات چند روزہ یہاں بے خودی میں گذری
نہ ترے ستم کو سمجھا نہ ترے کرم کو دیکھا

کہیں سانس سانس گن کر بھی کٹی ہے تلخ جانی
کبھی تو نے نبض دیکھی کبھی شام غم کو دیکھا!
رہ زیست سے گذرنا ہے تو جرأت آزما ہو
کبھی طے نہ ہو گی منزل جو قدم قدم کو دیکھا

تشطیر بر غزل حضرت فصیح الملک داغ دہلوی مرحوم

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
اچھا ہوا کہ آپ کو پہچان تو گیا

ایمان کی نہ پوچھیے میری خطا معاف
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

دل لے کے مفت کہتے ہیں "کچھ کام کا نہیں"
"ہے داغ ہی کا داغ سے پہچان تو گیا"

یہ میرے دل کی قدر ہے ان کی نگاہ میں
اُلٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا

افشائے راز عشق میں گو ذلتیں سہیں
بیگانگی کا سر سے وہ بہتان تو گیا

مانا کہ اس کے دل پہ نہیں ہم کو اختیار
لیکن اسے جتا تو دیا جان تو گیا!

بزم عدو میں صورت پروانہ دل مرا
پہنچا تو دل کے سوز کو تو مان تو گیا

اب اپنی اپنی خو رہی یہ اور بات ہے
گو رشک سے جلا ترے قربان تو گیا؟

ہوش و حواس و تاب و تواں داغ جا چکے
یعنی ہر ایک جسم کا مہمان تو گیا

اب جاں رہی وہ کہتی ہی محمود سے کہ لے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

تشطیر بر غزل حضرت ریاض خیرآبادی

اور میخانہ نشین چور بنائے نہ گئے ..... محتسب کیوں وہ یہاں آج بلائے نہ گئے
تاک کی تاک میں جو جائیں وہ ملزم نہ نہیں! ..... ہم دھرے جاتے ہیں ناحق کہیں آئے نہ گئے!

شوخیاں انکی اٹھائیں گی مجھے بزم سے کیا ..... قلب میں تیر نظر ان سے بٹھائے نہ گئے
تیغ ابرو کو مری سمت اُٹھانا کیسا! ..... اُنسے تو شرم کے پردے بھی اُٹھائے نہ گئے

قید نغمے کی ہوئی قید قفس پر طرّہ ..... اور پھر یہ کہ ہمیں گل بھی دکھائے نہ گئے
داستاں جور کی کیا، عہد اسیری میں تو آہ ..... ہم سے صیاد کو نالے بھی سنائے نہ گئے

پردہ ڈالا تری رحمت نے مرے عصیاں پر ..... شرم سی حشر میں جب مجھ سے سنائے نہ گئے
بار بردوش تھے، سر ایسا چڑھایا تھا انھیں ..... ان فرشتوں سی مرے عیب چھپائے نہ گئے

کون سا لطف نہ فردوس میں پایا لیکن ..... اجنبی ہی سے رہے ہم کہیں آئے نہ گئے
یوں تو رضواں بھی تھا غلمان بھی تھے حوریں بھی تھیں ..... پھر بھی دنیا کے مزے دل سی بھلائے نہ گئے

جب چلے سوئے لحد مڑ کے نہ دیکھا گھر کو ..... ستم اہل وطن ہم سے اُٹھائے نہ گئے
کوئی رویا، کوئی چلّایا، کوئی ساتھ آیا ..... ایسے روٹھے کہ کسی سے بھی منائے نہ گئے

نہ رہا حشر میں نظّارے سے محروم کوئی ..... کس کو انوار دل افروز دکھائے نہ گئے
حسرت مردہ ہر اک مردے کی بیدار ہوئی ..... قبر سے ایک ہمیں آج اُٹھائے نہ گئے

کس نے دیکھا ہمیں کوچے میں حسینوں کے ریاضؔ
ان بزرگوں کے ہمیں نام بتائے نہ گئے؟

ساتھ تھے حضرت محمودؔ بھی ان سے پوچھو
مفت بدنام ہوئے ہم کہیں آئے نہ گئے

تشطیر بر نظم جناب زیب عثمانیہ بیگم صاحبہ زیبؔ

بھول کے بھی نہ درد کو دل سے کبھی جدا سمجھ
عشق الم سرشت کی اس ہی سے تو بقا سمجھ
دل میں اسے چھپائے رکھ جان سی بھی عزیز جان
شاہدِ دل نواز کی یہ بھی کوئی عطا سمجھ

امن کی آرزو نہ کر امن کی آرزو ہے موت
لذتِ اضطراب کو زیست کا مدعا سمجھ
اپنے رباب قلب کو زخمۂ تارِ غم سے چھیڑ
ہر نفسِ حیات کو درد میں مبتلا سمجھ

منزلِ ہست و بود میں تیرا مقام ہے بلند
اپنے وجود کو یہاں مظہر کبریا سمجھ
ابر کو آسمان پر اپنی غبار راہ جان
مہر و مہ و نجوم کو اپنے نشانِ پا سمجھ

شانِ رہِ حیات میں رہرو، راہ زن نہ بن
منزلِ کائنات میں اپنی جگہ جدا سمجھ
اشہبِ روح کے لئے وسعتِ دہر تنگ ہے
اپنے سفر کا مدعا اس سے کہیں سوا سمجھ

تیرے حریمِ قلب کی خاک میں جب جمود ہو
اپنی علوئے ہمتی کا اسے مقبرا سمجھ
اپنے ضمیر کی صدا اگر ترے بارِ گوش ہو
فتنہ کوئی اُٹھا سمجھ، حشر کوئی بپا سمجھ

تیری صفائے قلب کا دہر میں امتحان ہے
دل کو تو آئینہ سمجھ، جامِ جہاں نما سمجھ
اپنی نظر میں خوار ہے ایسی بھی کیا فروتنی
خود کو بشر سمجھ مگر قدسیوں سے سوا سمجھ

پردۂ چشم میں ترے اشک جھلک رہے ہیں زیبؔ
اپنے نصیب کے انھیں انجم پُرضیا سمجھ
خوش ہو کہ دل کی بزم میں جام چھلک رہے ہیں آج
دامن کائنات کو موتیوں سے بھرا سمجھ

تشطیر بر غزل جناب افتخار احمد صاحب قدوائی

کہانتک کوئی اپنے دل کو سنبھالے … کہانتک کوئی روکے فریاد و نالے
محبت میں راحت کی امید، توبہ … غم ہجر سے خود ہیں جینے کے لالے

نگاہوں کی یہ شوخیاں اللہ اللہ … کہ لوگوں کے دل اور جگر چھید ڈالے
اب اس پر تلی ہیں کہ فتنے جگائیں … تمھیں اب کہو کون ان کو سنبھالے

مری بیکسی پر ترس کھا کے شاید … انھوں نے قدم کچھ اب آہستہ ڈالے
وہ دل کی کشش نے گریبان پکڑا … وہ پلٹے پلٹے ادھر جانے والے

گھٹا ہے کہ اُمڈی چلی آرہی ہے … پئے جاتے ہیں خُم پہ خُم پینے والے
ہر اک بوند سے میکدہ بن رہا ہے … چمن میں یہ کس گل نے ساغر اچھالے

نگاہیں بھی دھوکے دیئے جا رہی ہیں … تصور کے اعجاز بھی ہیں نرالے
مری خفتہ بختی نے مجھکو جگایا … چھپے جا رہے ہیں نظر آنے والے

جنوں چاہتا ہے ادھر دشت گردی … سنبھلتا نہیں یہ کسی کے سنبھالے
اُدھر چشم بر راہ ہیں غنچہ و گل … ادھر ٹوٹے جاتے ہیں پاؤں کے چھالے

کوئی اور عالم دکھا جذبۂ دل … وہ عالم کہ ہوں جس کے منظر نرالے
فلک کی نئی گردشوں کی بدولت … زمانے تو ایسے بہت دیکھ ڈالے

تشطیر بر غزل حضرت مجازؔ لکھنوی

کچھ تجھ کو خبر ہے ہم کیا کیا اے شورشِ دوراں بھول گئے
طفلی کا زمانہ بھول گئے وہ عہدِ دبستاں بھول گئے
وہ دورِ جوانی ختم ہوا اب کاوشِ ہجراں یاد نہیں
وہ زلفِ پریشاں بھول گئے وہ دیدۂ گریاں بھول گئے

اے شوقِ نظارہ کیا کہئے نظروں میں کوئی صورت ہی نہیں
اے نوکِ مژہ افسوس کہ اب ہم لذتِ پیکاں بھول گئے
مانا کہ تری رنگ آمیزی سے حسن میں جان آجاتی ہے
اے ذوقِ تصور کیا کیجئے ہم صورتِ جاناں بھول گئے

اس گل سے نظر ملتی ہی نہیں۔ اب دل کی کلی کھلتی ہی نہیں
اب بادِ مراد آئے بھی تو کیا ہم وصل کا ارماں بھول گئے
اے خندۂ گل ہم کو نہ ہنسا اے مرغِ چمن نغمے نہ سنا
اے فصلِ بہاراں رخصت ہو، ہم لطفِ بہاراں بھول گئے

سب کا تو مُداوا کر ڈالا، اپنا ہی مداوا کر نہ سکے
اوروں کا تو نقصاں یاد رہا اور اپنا ہی نقصاں بھول گئے
دامانِ تمنا سب کے بھرے اور آپ تہی داماں ہی رہے
سب کے تو گریباں سی ڈالے اپنا ہی گریباں بھول گئے

خمسہ بر نعت حضرت جامیؒ

ستاروں کی درخشانی میں روشن ہے جمال اس کا
اسی کی مہر میں تابش اسی کا بدر میں جلوا
ملائک اور حوروں میں اسی کے نور کا چرچا
وصلّی اللہ علی نورٍ کز و شد نور ہا پیدا
زمین از حُبِ او ساکن فلک در عشق او شیدا

زمیں پر مدحتیں اسکی فلک پر تذکرے اُس کے
کوئی اس دل ربا کی شان دلداری کو کیا جانے
جسے دیکھو وہ بیخود ہے اسی کے جام الفت سے
از او در ہر تنے ذوقے و زو در ہر دلے شوقے
از او بر ہر زباں ذکرے، وزو در ہر سرے سودا

وہی نبیوں میں افضل ہے وہی عالم کا ہے مقصود
بیاں اسکی صفت کیا ہو کہ وصف اس کا ہے لامحدود
ملائک اور بشر کیا، ہے ثنا خواں اس کا خود معبود

محمدؐ احمدؐ و محمود وے را خالقش بستود
کزو شد بود ہر موجود زو شد دیدہا بینا

گنہگاروں کا وہ غمخوار، ناچاروں کا وہ ہمدم
غریبوں کا وہ مونس، دل فگاروں کا شریک غم
ہر اک ممنون ہے اعلیٰ و ادنیٰ اس کا بیش و کم

اگر نام محمدؐ را نیاوردے شفیع آدمؑ
نہ آدمؑ یافتے توبہ نہ نوحؑ از غرق نجینا

اگر سایہ نہ کرتا ان پہ اس کا دامنِ رحمت
نہ ملتی اور نبیوں کو یہ عزت اور یہ رفعت
نہ پاتا کوئی بھی ان نعمتوں میں سے کسی صورت

نہ ایوبؑ از بلا راحت نہ یوسفؑ حشمت و شوکت
نہ عیسیٰؑ آں مسیحا دم نہ موسیٰؑ آں ید بیضا

جو لوحِ عرش ہے اس مظہر قدرت کی پیشانی

تو ہے مہر نبوت جو ہر نقش سلیمانی
دو لب رنگینیوں میں اس کے یاقوت بدخشانی
دو چشم نرگسینش را چو "مازاغ البصر" خوانی
دو زلف عنبرینش را چو واللیل اذا یغشیٰ

نگہ میں اسکی وہ شوکت کہ روکے گردش دوراں
قدم میں اسکے وہ طاقت کہ عیسیٰ کو بھی بخشے جاں
اور اسکے قلب میں محمودؔ لاکھوں طور ضو افشاں
ز سر سینہ اش جامی "الم نشرح لک" برخواں
ز معراجش چہ می پرسی کہ "سبحان الذی اسریٰ"

خمسہ بر غزل حضرت اسد اللہ خاں غالب مرحوم

نہ پوچھا اس ستم گر نے کہ رسوائے جہاں کیوں ہو
یہ آشفتہ سری کیسی ہے؟ اور یوں نیم جاں کیوں ہو
مگر طنزاً یہ پوچھا ہے سبب تم نوحہ خواں کیوں ہو؟
کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

ہم اپنا شیوہ بدلیں، اور ہو کر سرنگوں بدلیں!
کچھ ایسے قول کے کچے نہیں ہیں ہم جو یوں بدلیں!
نہ خودداری کو ہم بدلیں نہ اندازِ جنوں بدلیں!
وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بنکے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

مری قسمت ہی الٹی ہے کہوں میں کیا مشیت کو
مرا ہمدرد ہی پیدا ہوا میری اذیّت کو
اگر یہ جانتا تو کیوں بتاتا اپنی حالت کو
کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیوں ہو

مروّت کس کی جب سوئے عدم منھ موڑنا ٹھہرا
کسی صورت سے توڑا اپنا جب دم توڑنا ٹھہرا
کہیں چھوڑا جو رشتہ جسم وجاں کا چھوڑنا ٹھہرا
وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو

نہ وہ نغمے نہ وہ دل اب نہ وہ ہمت نہ وہ دم خم

نہ اب پرواز کی حسرت نہ اب صحن چمن کا غم
میں اپنی خانہ ویرانی کا پہلے کر چکا ماتم
قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

نہ تم چلمن اُٹھا کر تابش عارض ہی چمکاؤ
نہ کچھ چشم فسوں گر کی فسوں کاری ہی دکھلاؤ
کُھلے بندوں کہیں نکلو نہ بے پردہ کہیں جاؤ
یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں پر یہ تو بتلاؤ
کہ جب دل میں تمھیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

نہ الفت کی شکایت ہے نہ شکوہ دل کی جس کا ہے
یہ اک نخوت ہی ہے رونا ہمیں دن رات جس کا ہے
یہی رنجش کا موجب ہے کرشمہ بس یہ اس کا ہے
غلط ہے جذب دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

تمھارا قد قیامت ہے، بلا گیسوئے برہم ہے
تمھاری برشِ شمشیر ابرو بھی مسلّم ہے

تمہارے دیدۂ ناوک فگن کا کشتہ عالم ہے
یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے اسکا دشمن آسماں کیوں ہو

یہی ہنسنا ہے تو بجلی گرانا کس کو کہتے ہیں
یہی چلنا ہے تو محشر اٹھانا کس کو کہتے ہیں
یہی تیور ہیں تو خنجر چلانا کس کو کہتے ہیں
یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدو کے ہو لئے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

نگاہیں شوخ تم چنچل تمہاری خو ہے ہرجائی
کہیں اِس سے شناسائی کہیں اس سے شناسائی
کہو جو تم اسے تسلیم کرنا ہی ہے دانائی
کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی
بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو؟

سخن محمود ہو تو جب ہے لطفِ گفتگو غالب
ہمیشہ دل میں ہو دلجوئی ہی کی جستجو غالب
تری باتوں سے تو آتی ہے کچھ رنجش کی بو غالب

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

خمسہ بر غزل حضرت سیّد علی محمد شاد عظیم آبادی

وہ میرے شگفتہ چہرے کا مہتاب کی صورت گہہ جانا
وہ سوز دروں کی بے تابی اور صبر سے اسکو سہہ جانا
وہ قلب وجگر کا خوں ہونا اور اشک کی صورت بہہ جانا
ہے ہے مری چشم حیرت کا سب حال دل ان سی کہہ جانا
انگلی کو دبا کر دانتوں میں کچھ سوچ کے ان کا رہ جانا

اُن آنکھوں نے آنکھوں آنکھوں میں کرڈالا نشانا آنکھوں کو
رہ رہ کے بناوٹ سے ان کا وہ مجھ کو دکھانا آنکھوں کو
وہ دیکھنا نیچی نظروں سے اور پھر وہ پھرانا آنکھوں کو
اُف اُف وہ ہتھیلی سے ان کا شرما کے چھپانا آنکھوں کو
برچھی کی ادا کا چل جانا اس تیر نگہ کا رہ جانا

بے گانۂ صحنِ گلشن ہے سبزے کی مصیبت کیا کہیئے
قمری کا فسانہ کیا لکھیے، شمشاد کی حالت کیا کہیئے

محمودؔ جو آنکھوں نے دیکھی ہے یاس کی صورت کیا کہئے
ہم باغ میں ناحق آئے تھے بلبل کی حکایت کیا کہئے
منقار کو رکھ کر کلیوں پر کچھ اپنی زباں میں کہہ جانا

خمسہ بر غزل حضرت جگر مرادآبادی

رگ رگ مری بے تاب ہے معلوم نہیں کیوں؟
چلتی ہوئی مضراب ہے معلوم نہیں کیوں ؟
چشم اب یم پایاب ہے معلوم نہیں کیوں ؟
بتیاب ہے بے خواب ہے معلوم نہیں کیوں ؟
دل ماہیِ بے آب ہے معلوم نہیں کیوں ؟

دل شام سے بیتاب ہے معلوم نہیں کیوں؟
گرداب ہے، سیماب ہے، معلوم نہیں کیوں ؟
سونی صفِ احباب ہے، معلوم نہیں کیوں ؟
بے کیف مے ناب ہے معلوم نہیں کیوں ؟
پھیکی شب مہتاب ہے معلوم نہیں کیوں ؟

اب بادہ کشی سے بھی طبیعت ہوئی بیزار

مینا کی نہ مے کی نہ صبوحی کی طلب گار
خم ہے نہ صراحی ہے نہ اب ساغرِ سرشار
ساقی نے جو بخشا تھا بصد لطف و بہ اصرار
وہ جرعہ بھی زہر آب ہے معلوم نہیں کیوں؟

پہناتی تھی شاخوں کو صبا پھولوں کے جب تاج
گل گشت کی ہوتی تھی مری طبع بھی محتاج
قدرت کے مناظر تھے مرے عیش کی معراج
کل تک یہی دنیا سبد گل تھی مگر آج
بے رنگ ہے بے آب ہی معلوم نہیں کیوں؟

دل صحبتِ احباب سے خط پاتا ہے جو کچھ
یا فرقتِ محبوب میں غم کھاتا ہے جو کچھ
یہ گلشنِ ایجاد ہے ثمر لاتا ہے جو کچھ
اس پردۂ رنگیں پہ نظر آتا ہے جو کچھ
جیسے کہ یہ سب خواب ہے معلوم نہیں کیوں؟

ہیں یاد مجھے اب بھی، میں بھولا نہیں وہ دن
یہ دل ہی تھا جب حوصلۂ زیست کا ضامن

تار نفسِ زیست کی جنبش کا معاون

دل آج بھی سینے میں دھڑکتا تو ہے لیکن

کشتی سی تہ آب ہے معلوم نہیں کیوں ؟

اک منظر نایاب سا، معلوم نہیں کیا!

کچھ دلکش و شاداب سا معلوم نہیں کیا !

اک مہر جہاں تاب سا معلوم نہیں کیا !

دیکھا تھا کبھی خواب سا، معلوم نہیں کیا

اب تک اثر خواب ہے معلوم نہیں کیوں ؟

محمودؔ میں اب سمجھا ستاروں کا تحیّر

بے وجہ نہیں گردش دوراں کا تواتر

کرتا ہوں جب افلاک کی چالوں کا تصوّر

محسوس یہ ہوتا ہے کہ ہر تازہ تغیّر

میرے لئے بیتاب ہے معلوم نہیں کیوں ؟

برسات کی گرمی

بادل جو فلک پہ گھر کے چھٹ جاتا ہے
جی لطف خور و نوش سے ہٹ جاتا ہے
دوپہر میں جس قدر اُمس بڑھتی ہے
اتنا ہی بدن سے خون گھٹ جاتا ہے

شعرا کی ادب نوازی

اس بزم میں جو سخن طرازی ہے
احباب نے یہ ادب نوازی کی ہے
احسان سے سرنگوں نہ کیوں ہو محمود
اس کی شعرا نے سرفرازی کی ہے

(فکاہات)

دندان ساز کا مشورہ

دندان ساز نے مجھے یہ مشورہ دیا
بنیئے جواں اور نئے دنداں لگائیے
میں نے یہ عرض کی "مرے دنداں نکالکر"
"پہلے جناب من مجھے بچہ بنائیے"

سینما

اک شخص نے وصف سینما کے گِنوائے
میں نے یہ کہا تو خوب حضرت شرمائے
وہ پردہ کہ جس پہ ہو کسی مِس کا رقص
تم چھو لو تو اس کا سایہ تم پر پڑ جائے

متفرق اشعار

سو بار کہہ چکا ہوں زباں سے حدیثِ شوق
اب دل کا مقتضا ہے کہ تحریر بھی کروں

شک تھا کہ ہوا نے کی گلشن میں گل افشانی
ہر گل کی جگہ ان کا نقشِ کفِ پا نکلا!

صیاد ضرورت کو سمجھتا نہیں محمود
دانوں کے عوض پھول ہیں درکار قفس میں

زمانے سے ہے کچھ بدلی ہوئی طرزِ فغاں میری
یہ میرے دیدۂ حسرت ہی ہیں گویا زباں میری

آنکھ سے دل میں اتر کر جلوۂ خوش منظر ہوا
نقشِ ثانی نقشِ اوّل سے کہیں بہتر ہوا

حُسن میں گرمی ہے، لب پر عشق کے فریاد کی
مضطرب دونوں ہیں اک مجبور اک آزاد ہے

ان آنکھوں کے فتنے توبہ توبہ
غافل جنھیں ہم سمجھ رہے تھے

میں اور اُن کے جور کا اُن سے گلہ کروں؟
پر دل وفورِ غم سے ہے بیتاب کیا کروں!

آئے اور آکے دیکھے وہ مجھ غم نصیب کو
جو چاہتا ہو درد کی تصویر دیکھنا

شکایت اپنے ہی صبرِ گریز پا کی ہے
تمھارے جور کا تم سے مجھے گلہ کیا ہے

فقط اک تبسّم ناز سے مٹیں دل کی ساری کدورتیں
ہے نصیب لذّتِ گفتگو نہ سوال ہے نہ جواب ہے

ان کی غفلت کا توازن اپنی کوتاہی سے کر
انکی الفت کو تو اپنے دل کے پیمانے سے ناپ

بے دیکھے ان کو چین بھی تو لمحہ بھر نہیں
دیکھوں تو دیکھتا ہوں کہ تابِ نظر نہیں

وہ کیا خیال ہے جو دل سے کھو نہیں سکتا
مگر میں ان کو بھلا دوں یہ ہو نہیں سکتا

یہ بدگمانیاں تو نہ ہوں شرم تو مٹے
دیکھا کریں گے اب اُنھیں ان کی نظر سے ہم

ہیں ہی ایسے کہ نہ معلوم بنے بیٹھے ہیں
دیکھنے میں تو وہ معصوم بنے بیٹھے ہیں!

یہ چشمِ شوق سرِ بزم تو اٹھا نہ کرے
میں خلق میں اُنھیں رسوا کروں؟ خدا نہ کرے

غم نہ ہوگا بھی تو دل چین سے کب بیٹھے گا
پھر اسے لذّتِ آزار کا رونا ہوگا

میرے نالے اثر دکھا ہی گئے
ان کی آنکھوں میں اشک آ ہی گئے

رسمِ الفت سے ہوں مجبور حقیقت یہ ہے
ظلم ہے اُس دل آرا کو ستمگر کہنا

جس کا ہر جور لطف پرور ہو
اس کو کس دل سے جانستاں کہیے؟

حسن کیا ہے؟ بادۂ جامِ جوانی کا ظہور
عشق کیا ہے؟ اس شرابِ کیف پرور کا سرور

وارفتہ عشق ہی نہیں الفت کے جام سے
کچھ بیخودی سی چھائی ہوئی حسن پر بھی ہے

آتشِ عشق مگر سینے سے کب جاتی ہے
وہ بھڑکتی ہے کبھی اور کبھی دب جاتی ہے

چشمِ اشک آلود بھی کرتے ہوئے ڈرتا ہوں میں
فرطِ غم سے مسکراتا ہوں، یہ کیا کرتا ہوں میں؟

زندانیوں کی حسرتِ دل گیر دیکھنا
دیوار دیکھنا کبھی زنجیر دیکھنا!!

لبوں پر لگا دی ہے الفت نے مہر
نہ وہ کہہ سکیں کچھ نہ ہم کہہ سکیں

درازیٔ شبِ فرقت کے لطف کیا جانے
وہ کم نصیب جو منت کشِ سحر نہ ہوا!

نگاہِ مست کی رنگینیوں کو کیا دیکھے
وہ کور چشم جو حسرت کشِ نظر نہ ہوا!

کرشمہ سازیٔ حسنِ مجاز کیا سمجھے
وہ بے خرد جو حقیقت سے باخبر نہ ہوا!

جنونِ عشق کی وارفتگی سے کیا واقف
وہ کم نظر جو تماشائے رہ گزر نہ ہوا!

متاعِ درد کو کیوں کر گراں بہا سمجھے
وہ بد نصیب جسے رنج عمر بھر نہ ہوا!

نگاہِ ناز کی دلداریوں سے کیا سیکھے
وہ سنگدل جو محبت سے بہرور نہ ہوا!

رموزِ عشق کی باریکیوں کو کیا سوچے
وہ دل جو زلف گرہ گیر میں بسر نہ ہوا!

ان کو سُنا دی چشم نے بزم میں وہ حدیثِ شوق
جس کو نہ دل بتا سکا، جس کو نہ لب سُنا سکے

تھی وہ عجب گھڑی کہ جب اہلِ وفا نے جان دی
آہ و فغاں تو درکنار لب بھی نہ وہ ہلا سکے

شوقِ وارفتگیٔ عشق ہے فطرت میں مگر
کوئی دیوانہ ہوا اور کوئی دیوانہ بنا

اب ہو چکی ہے درہم و برہم بساطِ شوق
اب اے دلِ شکستہ تری انجمن کہاں؟

اب دل سے محو ہو گئے نقش و نگارِ حسن
اب فصلِ گُل میں لذّتِ سیرِ چمن کہاں؟

وہ کیا بدل گئے مری دنیا بدل گئی!
اب وہ زمیں کہاں ہے وہ چرخِ کہن کہاں؟

کرم بھی کچھ جفا میں ہے، ستم بھی کچھ وفا میں ہے
نئی ادائے دلبری تمھاری ہر ادا میں ہے

یوں آتشِ محبت سے دل سلگ رہا ہے
جیسے دیا کسی نے پہلو میں رکھ دیا ہو

محبت کی بنا احساس پر ہے
یہ گلزارِ تخیّل کا ثمر ہے

تصوّر میں تری صورت کا خاکہ تجھ سے دلکش ہے
کہ اس میں کلکِ الفت نے بھی کچھ رنگینیاں کی ہیں

کوئی ویرانۂ دل میں مکیں معلوم ہوتا ہے
مجھے تو آج یہ عرشِ بریں معلوم ہوتا ہے

یارائے سخن کس کو محفل میں ترے آگے
ہل جاتے ہیں لب لیکن تقریر نہیں ہوتی

محمود عشق جبتک رنگِ جنوں نہ پکڑے
آہوں میں کیا اثر ہو نالوں میں کیا مزا ہو

ساقی کی چشمِ مست سے نظریں بچا کے پی
صہبا بھی پی تو شیخ نے پانی بنا کے پی

یہ گُلِ گشت کو کون نکلا ہے آج
گُلِ خفتہ بیدار ہونے لگے!

وہ رندِ لم یزل ہوں کہ بے مے گزر نہیں
میخانے سے نہ آئی تو کوثر سے لا کے پی

ہوگی نہ صرف بادہ سے تکمیل کیفِ عشق — محمود دل کے جام میں کچھ خوں ملا کے پی

جو دل کے جام سے صہبائے عشق پیتے ہیں — وہ کب نگاہ میں لاتے ہیں ساغرِ جم کو

حسینوں کو ذرا سی چھیڑ بھی غمناک کرتی ہے — صبا شمشیر بن کر سینۂ گل چاک کرتی ہے

گل میں خوشبو ہو تو کیا بات ہے لیکن یوں بھی
کم نہیں اس کا جمال اپنی دل آویزی میں

لب گلگوں میں ان کی تابشِ دنداں کو کیا کہیئے
کلی کے منہ میں موتی کی لڑی معلوم ہوتی ہے

لب دریا حبابوں کی چمک کیا لطف پرور ہے
زمیں نیلم کی ہیروں سے جڑی معلوم ہوتی ہے

ان کو یقین دردِ دل گر نہیں ہے نہیں سہی
یہ بھی کسی کا حُسن ہے آنکھ سے جو دکھا سکے؟

پھر کسی کی لالہ رنگ آنکھوں میں خواب آنے کو ہے
پھول غنچے بن رہے ہیں، انقلاب آنے کو ہے

وہ دلِ صد چاک میں یا آب وتاب آنے کو ہے
آج اس گلشن میں گلشن کا جواب آنے کو ہے

انکے لب تک بزم میں جام شراب آنیکو ہے — آفتاب اک اور زیر آفتاب آنے کو ہے

حسرت کشِ چمن ہوں میں اے مغبچو مجھے
پھولوں میں بھر کے بادہ پلاؤ بہار میں

سو بار کہہ چکا ہوں زباں سے حدیثِ شوق
اب دل کا مقتضا ہے کہ تحریر بھی کروں

میری جبینِ شوق نے عجیب گُل کھلائے ہیں
چمن کا عکس دیکھتا ہوں ان کے نقشِ پا میں کچھ

یہ چشمِ یاس کیا کیا کہ خشک کر دی کِشتِ عشق
ابھی تو قطرے تھے لہو کے قلب بیوفا میں کچھ

ہے مئے ناب میں عکسِ رخِ ساقی کی جھلک
حلقۂ جام میں گلزار نظر آتے ہیں

وہ سرمیلی نگاہیں اٹھ رہی ہیں
زمیں ٹکرا نہ جائے آسماں سے!

کلی بن کر اُگا ہے آج محمود
دلِ بلبل زمینِ گلستاں سے!

نہ اتار نظرِ عاشق کو پیکاں بھی ہے سوزن بھی
کبھی زخمی کیا دل کو کبھی زخموں کو سی آیا

چمن کی طرح صحنِ میکدے میں پھول جھڑتے ہیں
کبھی جب دستِ ساقی سے چھلک جاتا ہے پیمانہ

لگا کے آگ سی کلیوں کے دل جلائے ہیں
صبا یہ تو نے ہی گلشن میں گُل کھلائے ہیں

خزاں میں دیدۂ عبرت سے دیکھ کلیوں کو
اجل نے پھول سے دل خاک میں ملائے ہیں

جذبۂ شوق ناتمام، دعویٰ عشق بے دلیل
آجتک ان کو داغ بھی دل کے نہ ہم دکھا سکے

اس پر خزاں میں بھی کبھی پژمردگی نہ آئے
تم شاخِ گل جو توڑ کے لاؤ بہار میں

پھر دیکھو کس پہ پڑتی ہے بلبل کی چشم شوق
پہلو میں گل کے ان کو بٹھاؤ بہار میں

گل عارض تابندہ کو تکتے ہیں چمن میں
اور غنچے تبسّم کی ادا سیکھ رہے ہیں

یہ بھی مجبوری دل کا ہے تقاضا ورنہ
جانتا ہوں مری فریاد سے کیا ہوتا ہے

شوخیِ کلام

تو جانتا ہے شیخ کی نیت خراب ہے
تھوڑی سی اس کے نام کی پہلے گرا کے پی

یکایک میری بالیں پر ہوا اُن کا گزر کیسا
الٰہی خیر تو ہے! آج یہ دن میں قمر کیسا!

پیلا لباس اور یہ عالم شباب کا
سورج مکھی میں پھول کھلا ہے گلاب کا

دمِ وصل ان سے وہ کیا التجا تھی شوق بیحد کی
کہ اب تک چھیڑتی ہے ان کی چشم حیلہ جو مجھ کو

باہیں انگڑائی کو اٹھیں، رخ پہ چمکی برق حسن
ہائے میں محمود دیکھو ماہتاب آنے کو ہے

مرا دل کیا مری جاں کا سکوں بھی لے لیا مجھ سے
مرے آرام جاں ہو کر یہ تم نے کیا کیا مجھ سے

ناوک فگن کا حیلۂ تاخیر دیکھنا یہ تیر دیکھنا کبھی وہ تیر دیکھنا

بے پردہ تم جو باغ میں آؤ بہار ہیں کچھ اور ہی بہار دکھاؤ بہار ہیں

یہ برگِ گل کی ہیں رگیں کہ مہرِ حُسن کی کرن

مجھے نظر تو آرہا ہے چشمِ فتنہ زا میں کچھ؟

شوخیاں ہو رہی ہیں حُسن فروش آج بن آئی خودنمائی کی

پھر وہی غمزے وہی شوخی وطنازی ہے

دو گھڑی بھی تری آنکھوں میں ندامت نہ رہی؟

بلا کی شوخیاں ہیں ساقیِ کمسن کی مستی میں

خود اس کے دستِ رنگیں سے گرا جاتا ہے پیمانہ

کریں وہ لاکھ اپنی نظر اختیار میں الفت کی آنکھ تو نہ چھپے گی ہزار میں

سراپا درد ہوں، تصویرِ غم ہوں، نقشِ حیرت ہوں

میں کہہ تو دوں کہا بھی جائے اپنا ماجرا مجھ سے

سکوں ملے گا متاعِ حیات کھونے سے جھپٹ کے سوئینگے جب ہم لحد کے کونے سے

مٹنا بھی خود محال ہے اٹھنا تو درکنار بیٹھا ہوں نقشِ پا کی طرح کوئے یار میں

ہوتی ہی نہیں دیدۂ محمود کی سیری اس شوخ کی تصویریں کیا دیکھ رہے ہیں؟

اس شبِ غم کی کہیں میرے سحر ہو تو سہی دیر سے ہو کہ وہ جلدی ہو مگر ہو تو سہی

درد سمجھے نہ وہ دوا جانے — عشق کیا شے ہے، حسن کیا جانے
اس نے نظریں اُٹھا کے دیکھا تھا — دل کو کیا ہو گیا خدا جانے

اعجاز عیسوی ہوں ان کے انھیں مبارک
منت کرے وہ ان کی جینا ہو جس کو منظور

وہ اور بزم اعدا میں اور کنج خلوت
وہ اپنی ضد پہ قائم میں اپنی خو سے مجبور

صورت حرفِ غلط دل سے ترے مٹ تو گئے
لیکن اک نقشِ وفا اس میں بٹھا کر اُٹھے

میں جو بیٹھوں بھی تو غم دل میں بٹھا کر بیٹھوں
وہ جو اُٹھے بھی تو فتنوں کو اٹھا کر اُٹھے

عذر لکنت کا غلط خُو ہے اُنھیں تکرار کی — وہ تو دُہراتے ہیں چاہی ہو نہ دہرانیکی بات

فطرت عشق بھی ہے کیا ناداں — حُسن سے خواہش وفا۔ کیا خوب؟

ان نیچی نگاہوں کو اٹھانے دے قیامت — اے جان حیا دیکھ نہ دیکھ آنکھ اُٹھا کر

مری توبہ بھی کچھ توبہ ہے۔ جب پینے پہ جی آیا
تو چپکے سے اُٹھا اور جا کے میخانہ میں پی آیا

شادی و غم کا توازن بھی ہے لازم محمودؔ — مجلس غم میں کبھی ذکر حسیناں بھی رہے

مجھ سے الم پرست کو غم سے بھی اب خوشی نہیں
تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

لطف زبان

قدر وحشت کی ہوئی بے سر و سامانی میں
ہم بیاباں نہ گئے دیکھ لیا گھر اپنا

کہاں ہوائے بتاں اور تم کہاں محمود
میاں یہ بیٹھے بٹھائے تمھیں ہوا کیا ہے؟

کیا پی جو گھر میں بیٹھ کے تو نے چھپا کے پی
ہم مشربوں کو ساتھ لے ان کو پلا کے پی

دو ایک چلّو جام میں پینے سے فائدہ
پینا ہی ہو تو خم کو اُٹھا منھ لگا کے پی

قلق کس بات کا جانے بھی دو اب خاک بھی ڈالو
مری قسمت میں مرنا تھا نہ مرتا آج کل مرتا!

حرم کا دھیان رہا آپ میکدے میں رہے
جو ہم سے پوچھو تو میکش بڑے مزے میں رہے

ہر طرف رند بڑھے ہاتھ اُٹھے جام پھرے
بزم ساقی سے ہمیں تھے کہ جو ناکام پھرے

میں تم سے حالِ دلِ زار گر کہو تو کہوں
مگر فضول ہے تم کو خبر نہ ہو تو کہوں

مری باتوں پر خفا ہیں، چُپ رہوں اب یوں کروں
اُن ہی کی سنتا رہوں اور میں نہ منھ سی ہُوں کروں

دل میں کچھ درد سا ہے اشک رواں رہتے ہیں
ہمدم اس قسم کے آزار کو کیا کہتے ہیں ؟

گریہ سے اور بڑھنے لگا دل میں سوزِ عشق
چھینٹے پڑے تو اور یہ آتش بھڑک اُٹھی

ہٹو بھی نہ چھیڑو ہمیں سو گئے ہم
بس اب جاؤ تم سے خفا ہو گئے ہم

شمع کو اپنی درخشانی پہ کیا کیا ناز تھے
شرم سے ان کے مقابل پانی پانی ہوگئی!

کہتی ہے حسن سے مژۂ خوں چکاں مری
کب تک میں تجھ میں رنگ وفا کا بھرا کروں

چاہیے اے بہارِ حُسن سیرِ چمن میں احتیاط
آتشِ گل بھڑک نہ جائے روئے نگار دیکھ کر

شب میں فلک پہ تاروں کی ضو پاشیاں نہ پوچھ
حُور اپنے جیسے گیسوئے پرنم نچوڑ دے

اب التفاتِ دیدۂ ناوک فگن کہاں
اب قلبِ داغدار میں حُسنِ چمن کہاں

اب مجھ سے پھر گئی ہے وہ کافر نگاہِ دوست
اب ذوقِ نرگس و گل خوش پیرہن کہاں!

ہیں چارہ گر بھی مضطرب، دوا بھی کر رہا ہوں میں
اب اس کا کیا علاج ہے نہیں اثر دوا میں کچھ

میں محوِ دید ساقی رنگیں ادا نہ ہوں؟
گر بے خودی ہی بادہ کشی کا مآل ہے

جلوۂ برق تجلی بھی ہے اور طور بھی ہے
پہلے پیدا تو کرے دیدہ بینا کوئی

یہ رات صرف ایک کہانی میں کٹ گئی — عمرِ دوروزہ اپنی جوانی میں کٹ گئی

اس چشمِ مست کی یہ ہشیاریاں تو دیکھو! — کھُل کر کمان تانی، پھر پھر کے تیر چھوڑے

زمانہ گزرا ہے زخموں کو مسکرائے ہوئے — تم آؤ غصہ میں پھر تیوریاں چڑھائے ہوئے

ہم کھوئے گئے کوچۂ دلدار کو پا کر — وارفتگیٔ شوق نے رکھا نہ کہیں کا

صحت نامہ خیاباں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۸	۹	احدیت	معدلت
۴۴	۵	گھنٹوں	اس کا
۴۹	۷	طایع	بخت
۵۰	۹	پرہی	ہی پہ
۵۱	۱۲	پھوپھی کو	پھوپھی کو جو
۵۲	۱۴	دم	ہر دم
۵۷	۴	جامے	کپڑے
۶۷	۹	چہرے	بہ چہرہ
۹۹	۱۳	اس علم و	ادب کو
۱۱۳	۶	کوچوں	کوچے
۱۳۳	۲	ایک	اک
۱۴۳	۵	ناپ	بھانپ
"	۶	مرغاب	سرخاب
۱۴۷	۵	وجد میں آنے لگا	بارِ ثمر سے دبا
۱۵۰	۱۱	تھا اسطرح	اِسطرحِ تھا
۱۶۳	۲	گھر میں	گھر سے
۱۶۸	۱	شبدہ	شبد

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶۸	۶	شیرنی	شیرینی
۱۷۹	۴	تقویٰ و توبہ	زہد و اتقا
۱۷۹	۸	ایہام	پیام
۱۹۱	۲	جام	طشت
۱۹۳	۱۴	سطح سیمیں	سطح مجلّٰی
۱۹۴	۳	کہکشاں کیطرح	صورتِ کہکشاں
۲۰۸	۱۰	خدا	وہی
۲۲۷	۷	وہ پلٹے پلٹے	وہ پلٹے وہ پلٹے
۲۳۲	۷	اذیّت	مصیبت
۲۳۴	۹	تمہاری خُو ہے	تغافل دوست
۲۳۷	۱۲	ہے ثمر	ثمر
۲۳۹	۴	دوپہر	برسات
"	۷	طرازی ہے	طرازی کی ہر
۲۴۵	۱۴	یا آب	با آب
۲۴۶	۱۲	میکدے میں	میکدہ میں
۲۴۸	۱۶	جلدی ہو	ہو جلد
...	...	...	...

صفحہ	سطر	غلط مصرع	صحیح مصرع
۳۴	۱۰	احمدؐ والا نسب، والا گہر، والا تبار	ماہ خدم، مہر حشم، عرش وقار
۱۰۰	۸	وہ مشکل میں سینہ سپر کرنیوالا	وطن کی محبت کا دم بھرنے والا
۱۳۰	۱۵	ہن دنیا میں برستے دیکھا	اپنے جال میں پھنستے دیکھا
۱۳۱	۱۵	رنگ دے شوخی شباب آئینہ کو جس طرح	رنگ دے شوخی شباب جامۂ تن کو جسطرح
۱۶۵	۵	گہوارے ہیں جن کے پربت	جن کی ہر گھر میں ہے ضرورت
۱۷۳	۲	میری جبیں میں اُس صنم کے آستاں کا عکس ہے	میری جبیں میں عکس ہو اُس بُتِ بےمثال کا
۱۸۵	۹	ٹیس سی پھر یہ مرے سینہ میں کیوں ہے اب تک؟	کیوں یہ پھر ٹیس مری سینے میں یوں ہے اب تک؟
۱۹۰	۶	ان کو شاخ گل تر کی طرح پھیلائے ہوئے	شاخ گل کی طرح انکو تھی وہ پھیلائے ہوئے